سنن نماز

قیام،تکبیر تحریمہ وغیرہ کے مسائل

سنت کی تعریف اوراس کا حکم:

سوال: آپ نے ترک سنت کے مسئلہ کے جواب میں دو حدیثیں تحریر فرمائی ہیں،مگر ہم لوگ ناخواندہ ہیں، براہ کرم ان پر اعراب اور ترجمہ تحریر فرما دیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

یہ طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت ہے جس میں سنت کی تعریف کی گئی ہے:

"ترک السنة لایوجب فسادًا و لاسهوًا،بل إساءةً لو عامدًا غیر مستخف...حکم السنة أنه یندب إلٰی تحصیلها،ویلام علٰی ترکها مع لحوق إثم یسیر".(۱)

مطلب یہ ہے کہ سنت کا جان بوجھ کر چھوڑنا بُرا ہے،اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے،مگر اس کو بھی ہلکا نہیں سمجھنا چاہئے،سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے اور جو ترک کرے وہ قابل ملامت ہے اور اس کا گناہ ہوگا،لیکن ترک فرض سے کم ہوگا۔**"کما فرغ من التکبیر للإحرام،بلا إرسال"** (۲) یعنی جیسے ہی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو تو بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے ہاتھ باندھ لے،بعض آدمی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھ پہلے لٹکا دیتے ہیں پھر باندھتے ہیں ایسا نہ کریں۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔۱۸/۴/۷ ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند،۱۸/۴/۷ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۶۴۴/۵)

(۱) حاشية الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح ، کتاب الصلاة،فصل فی بیان سننها:٢٥٦،قدیمی

حکم السنة هو الإتباع فقد ثبت بالدلیل أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم متبع فیما سلک من طریق الدین قولاً وفعلاً وکذلک الصحابة بعده وهذا الإتباع الثابت بمطلق السنة خالٍ عن صفة الفرضیة والوجوب إلا أن یکون من أعلام الدین فإن ذلک بمنزلة الواجب فی حکم العمل علی ماقال مکحول رحمه الله:السنة سنتان،سنة أخذها هدی وترکها ضلالة وسنة أخذها حسن وترکها لا بأس به،فالأول نحو صلاة العید والأذان والإقامة والصلاة بالجماعة ولهذا لو ترکها استوجبوا اللوم والعتاب ولو ترکها أهل بلدة وأصروا علی ذلک قوتلوا علیها لیأتوا بها والثانی نحو ما نقل من طریقة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی قیامه وقعوده ولباسه ورکوبه ==

نمازی کے قدموں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نمازی کے قدموں کے درمیان کس قدر فاصلہ ثابت ہے؟ خواہ جماعت میں ہو یا علاحدہ ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

درمیان دونوں قدموں مصلی کے فاصلہ بقدر چہار انگشت چاہئے۔(۱) (تالیفات رشیدیہ:۲۶۱-۲۶۰)

قیام میں دونوں قدم کے درمیان فاصلہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں درمیان دونوں پیروں کے چار انگشت فرق رکھنا کیسا ہے، اگر کم وبیش ہو جاوے تو نماز میں کچھ خلل تو نہ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ چار انگشت کا فاصلہ پیروں میں بحالت قیام رکھنا بہتر ہے اگر کچھ کم وبیش ہو گیا تو نماز صحیح ہے کچھ کراہت نہیں۔ شامی جلد اول:

" وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع"، إلخ. (شامی)(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۵۳) ☆

== وسننه في العبادات متبوعة أيضاً فمنها مايكره تركها ومنها مايكون مسيئاً ومنها مايكون المتبع لها محسناً ول ايكون التارك مسيئاً وعلى هذا تخرج الألفاظ المذكورة في الأذان من قوله:يكره،وقد أساء،ولا بأس به، الخ.(أصول السرخسي،فصل في بيان المشروعات من العبادات وأحكامها: ١/١١٤-١١٥،دار المعرفة بيروت.انيس)

العبارة بأسرها:"ويسن وضع الرجل يده اليمنىٰ كما فرغ من التكبير للإحرام،بلا إرسال،ويضع في كل قيام من الصلاة،الخ".(حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح،فصل في بيان سننها: ٢٥٨،قديمي)

حاشية صفحه هذا:

(۱) وينبغي أن يكون بين رجليه حالة القيام قدر أربع أصابع، وقال الطحاوي:في المقارنة وهو الصحيح.(فتح القدير،باب صفة الصلاة: ١/٢٩٦،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث القيام : ١/٤١٤،ظفير

☆ **قیام میں دو پیروں کے درمیان فاصلہ:**

سوال: حالت قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بہتر یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی کے بقدر فاصلہ ہو، اگر اس سے کم یا زیادہ کا فاصلہ رہا تب بھی نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ ==

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں، سنت ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلىٰ الخشوع، هٰكذا روى عن أبى نصر الدبوسى أنّه كان يفعله، كذا فى الكبرىٰ. (رد المحتار: ١/٤١٤)

وفى التنوير: ويستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة ويكره إن لم يفعل.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: كذا فى التجنيس لصاحب الهداية وقال الرملى فى حاشية البحر: ظاهره أنّه سنّة وبه صرّح فى زاد الفقير، آه. (رد المحتار: ١/٤٧٠)(١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۴/ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۱) ☆

قیام کی حالت میں قدموں کے برابری کا حکم:

سوال: الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ، جلد: ۲، صفحہ: ۲۰۲، سطر: ۸ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حوالہ دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید سے سب لوگ صف کو

== **"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع.** (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ٢/١٣١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ـ ۲۴/۳/۱۴۰۸ھ ـ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۸۹)

(١) **(و) من السنن (توجيه أصابع رجليه إلى القبلة).** (إسعاف المولىٰ القدير شرح زاد الفقير: ٦٣، مخطوطة جامع الملك سعود، انيس)

☆ قدمین کے درمیان فاصلہ:

سوال: حالت نماز میں پہلی رکعت میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ چھ انگل تھا اور دوسری رکعت میں وہ فاصلہ چار انگل رہ گیا، تو اس صورت میں نماز میں تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

کوئی خرابی نہیں مگر چار انگل کا فصل مستحب ہے۔ ("**وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع**". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ١/٤٤٤، سعيد) (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷۶)

سیدھا کرتے تھے، پس ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر کے مونڈھے سے ملاتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے، (۱) اس کے علاوہ بھی بہت تاکید لکھی ہوئی ہے، مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں اس کا نہ تو کوئی خیال ہی کرتا ہے اور نہ ہمارے علما کبھی تاکید کرتے ہیں، اگر کوئی بہت محتاط عالم کبھی تاکید بھی کرتے ہیں، تو اس سے زیادہ نہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا ملا لو قدم کا ذکر کبھی نہیں سنا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

کیا یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اخیر تک ملا رہتا تھا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ صف سیدھا کرنے کے لئے قدم کو قدم سے ملا کر دیکھتے ہوں، پھر اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہوں؟ خلاصہ میرے سوال کا یہ ہے کہ محاذات یا الزاق جو حدیثوں میں آیا ہے اس کا مدلول لغوی محاذات یا الزاق کا حدوث ہے یا ان کا بقا۔ (۲)

۲۷/صفر ۱۳۵۱ھ (النور: ۱۰/شوال المکرم ۱۳۵۱ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۵)

حالت قیام میں کھڑے ہونے کی کیفیت:

سوال: نمازی کو حالت قیام میں سیدھا کھڑا ہونا چاہئے، یا آگے کی طرف سر جھکا کر کھڑا ہونا چاہئے؟ اگر سر جھکانے کا حکم ہے تو کتنی مقدار جھکائے؟ ایک عالم صاحب حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حالت قیام میں آگے کی طرف سر اتنا جھکانا چاہئے کہ سر قدم کے محاذات سے آٹھ انگلیوں کی مقدار آگے بڑھ جائے، کمر سے جھکانا شروع کرتے ہیں اور سر آٹھ انگلیوں کی مقدار قدم سے بڑھاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اس کا حوالہ دیا جائے کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کس کتاب میں لکھا ہے، ان کی عبارت نقل کی جائے، تب اس میں غور کیا جا سکے گا۔ (۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۳/۶/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷۶)

---

(۱) عن أنس بن مالک عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: أقیموا صفوفکم فإنی أراکم من وراء ظهری وکان أحدنا یلزق نکبیه بمنکب صاحبیه وقدمه بقدمه. (الصحیح للبخاری، باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی القیام (ح: ۷۲۵) انیس)

(۲) یعنی بقا کی کوئی دلیل ہے نہیں اور فقط حدوث سے اس کا سنّت ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ سعید

(۳) کتب فقہ میں قیام کی یہ صورت لکھی ہے کہ اس طرح کھڑا ہو کہ ہاتھ سے گھٹنے نہ چھوائے۔

(ومنها القیام) بحیث لو مد یدیه لا ینال رکبتیه. (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۶۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

تکبیر تحریمہ کے وقت بھی فقہاء کرام نے جھکنے سے فرمایا ہے۔

ولا یطأطیء رأسه عند التکبیر. (المبسوط للسرخسی، کیفیة الدخول فی الصلاة: ۱/۱۲، دار المعرفة بیرات. انیس)

ایک نمازی کا دوسرے نمازی کے قدموں کے درمیان فاصلہ:

سوال: درصورت جماعت ایک نمازی سے دوسرے نمازی کو کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ زید کہتا ہے کہ فاصلہ درمیان قدموں کے چار انگشت ہونا چاہئے اور یہ امر کتب فقہ سے مستفاد کب ہوتا ہے؟ چنانچہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے:

''می باید کہ وقت قیام فرق درمیان ہر دو قدم چہار انگشت باشد، فقط''۔(۱)

اور عمرو کہتا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ ایک مصلی دوسرے سے مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم ملائے رکھے؛ تاکہ اتصال حقیقی پیدا ہوجائے؛ کیوں کہ صف کے ملانے کو اور شگاف ودراز بند کرنے کو تاکیداً فرمایا گیا ہے اور یہ امر جب تک مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم نہ ملایا جائے گا ہرگز پیدا نہ ہوگا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے!

''**أقيموا صفوفكم فإني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه**'' انتہٰی.(۲)

اور یہ حدیث صریح غیر معارض ہے اور کسی ائمہ دین سے اس کا خلاف مروی نہیں ہے کہ انہوں نے معنیٰ حقیقی کو چھوڑ کر بلا وجہ معنیٰ مجازی لئے ہوں اور حدیث صحیح صریح غیر معارض بلا منسوخ اپنے معنیٰ حقیقی پر واجب العمل ہوتی ہے، بالاتفاق تمام اہل علم کے حالانکہ تمام خواص وعوام اس کے خلاف پر عمل کرتے ہیں، یہ تقریر عمرو کی ہے۔

لہٰذا جواب مدلل عند التحقیق ارقام فرمایا جاوے کہ زید وعمرو میں کون صحیح کہتا ہے اور عمل کس طرح پر ہونا چاہئے؟

الجواب

اقامت صف کی حالت میں اتصال حقیقی ممکن نہیں ہے اور حدیث شریف میں سد فرجات وخلل کا حکم آیا ہے؛ حالانکہ اگر پاؤں چکرا کر کھڑے ہوں گے تو دونوں پاؤں کے درمیان ایک وسیع فرجہ پیدا ہوجائے گا، پس اس حالت میں حدیث شریف کے معنیٰ یہی ہوئے کہ مقابلہ اور محاذات مناکب اور کعاب کا فوت نہ ہونا چاہئے۔

چنانچہ حدیث شریف ابوداؤد میں یہ تصریح موجود ہے:

''**إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا الصفوف، وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولا تذروا فرجات للشيطان**''، انتہٰی.(۳)

(۱) چاہئے کہ قیام کے وقت دونوں قدموں کے درمیان چار انگلی کا فاصلہ رہے۔

(۲) اپنی صفوں کو ٹھیک کرو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے ساتھی کے مونڈھے سے ملا لیتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے۔

أخرجه البخاري، باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم في القيام (ح:۷۲۵) انیس

(۳) كتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، حديث نمبر ۶۶۶، دار ابن حزم، انیس)

==

پس اس سے ظاہر ہے کہ الزاق اور الصاق سے مراد محاذات ہی ہے، (۱) نہ (کہ) الصاق والزاق حقیقی، ورنہ ادائے ارکان نماز سے سخت دشواری پیش آوے گی، (۲) مگر معنی حقیقی مراد نہ ہونے سے یہ لازم ہونا کہ مل کر نہ کھڑے ہوں، ہرگز نہیں، (۳) اور وہ فرجات جو عوام بلکہ خواص پر بھی اس کے الصاق سے غفلت ہے مکروہ تحریمہ ہے۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ: ۲۶۱-۲۶۰)

ایک مقتدی کا دوسرے مقتدی سے پیر ملانا کیسا ہے:

سوال: پیر جوڑنا کہ داہنے مقتدی کا بایاں پیر بائیں مقتدی کے داہنے پیر سے مل جاوے، اس سے نماز فاسد ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز تو اس سے فاسد نہیں ہوتی، مگر یہ فعل ان کا خلاف سنت ہے۔ (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳/۳۴۳-۳۴۴)

== ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو ٹھیک کرو اور مونڈھوں کو مقابلہ میں رکھو اور خلا کو بند کر دو اور شیطان کیلئے کھلی جگہ نہ چھوڑو۔

(۱) (قوله: حاذوا) أى ساووا (قوله: وسدوا الخلل) أى الثلمة والفرجة. (شرح أبى داؤد للعينى، باب تسوية الصفوف: ۲۱۷/۳، مكتبة الرشد الرياض. انيس)

(۲) (... عن عمر بن الخطاب كان يأمر بتسوية الصفوف فإذا جاء فأخبره أن قد استوت كبر) ... والمراد: تعديل الصفوف لتكون على سمت واحد والمقياس فى هذا المناكب والأقدام فإذا تساوت المناكب وتساوت الأقدام هذه هى التسوية وإلا فقد يكون الشخص نضوا الخلقة جحيفاً وبجانبه شخص ممتلىء الجسم يساويه بإمامه وإلا بآخره ؟وإن تساوى معه فى مقدمته تأخر عنه، تأخر عن الصف وإن ساواه بمأخرته تقدم عن الصف فالمنظور إليه والمراد هو المناكب والأقدام يبقى أنه قديطلع مثل اليدين شىء منه قدام وشىء خلف، هذا أمر غير مقدور عليه، ولا ينظر إليه ولا يرتب عليه الحكم إنما المطلوب التسوية والمحاذات فى المناكب والأقدام. (شرح الموطأ لعبدالكريم الخضير، باب تسوية الصفوف: ۱۳/۲۵. انيس)

(۳) وينبغ للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسوا بين مناكبهم فى الصفوف ولابأس أن يأمهم الإمام بذلك، الخ. (تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱۳۶/۱، دار الكتب الإسلامى بيروت. انيس)

(۴) قلت: مراده عندالفقهاء الأربعة أن لايترك فى البين فرجة تسع فيها ثالثاً بقى الفصل بين الرجلين. (فيض البارى، باب إلزاق المنكب بالمنكب: ۳۰۲/۲، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۵) وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أى قام كل واحد بجانب الآخر. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۱/۴۱۴، ظفير)

والمراد من قوله: ألصقوا الكعاب بالكعاب إجتماعهما. (البناية شرح الهداية: ۲/۲۱۹، دار الكتب العلمية. انيس)

☆ **جماعت میں ایک مقتدی کا دوسرے سے پیر ملا کر کھڑا ہونا کیا ضروری ہے:**

سوال: غیر مقلد جماعت میں پاؤں ایک دوسرے سے ملاتے ہیں اور حدیث سے استنباط کرتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟ ==

جماعت میں مونڈھا ملا کر مقتدی کھڑے ہوں یا پاؤں ملا کر:

سوال: نماز میں مقتدی مونڈھے سے مونڈھا تو لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، مگر ایک صاحب فرماتے ہیں کہ پاؤں سے پاؤں بھی ملانا چاہئے۔آیا حنفی مذہب میں اس کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھوں کو ملانے کا اور صفوف کو برابر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ٹخنوں کو ایک سیدھ میں کرنے کا حکم ہے، اس سے غیر مقلدوں نے ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے کا حکم سمجھ لیا ہے، یہ بظاہر ان سے غلط فہمی ہوئی ہے اور اصل یہ ہے کہ مونڈھوں کے ملانے کا حکم صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے، لہٰذا یہ سنت ہے اور جبکہ جملہ آدمی مونڈھے ملا دیں گے تو سب کے ٹخنے نہیں مل سکتے، جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد ہے۔اس لئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو الصاق کعاب منقول ہے، اس کے معنیٰ برابر اور سیدھا کرنے کے ہیں؛ یعنی تمام صف کے آدمی ایک سیدھ میں ہوں، نہ یہ کہ قدم اور ٹخنہ آگے پیچھے ہوں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳/۳۵۴-۳۵۵) ☆

==

الجواب

غیر مقلد غلط سمجھتے ہیں، صرف محاذاۃ اقدام واکتاف وغیرہ کا حکم ہے، یہی حنفی بھی کہتے ہیں۔(وما روى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الأخر ،(رد المحتار ،باب صفة الصلاة،بحث القيام: ١/٤١٤، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳/۳۵۳)

(۱) عن النعمان بن بشير قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسوى صفوفنا حتىٰ كأنما يسوى بها القداح،حتىٰ رأى أنا قدعقلنا عنه،ثم خرج يوماً فقام حتىٰ كاد أن يكبر ،فرأى رجلاً بادياً صدره من الصف،فقال:"عباد الله ! لتسوّن صفوفكم،أوليخالفن الله بين وجوهكم".رواه مسلم.(مشكوة،باب تسوية الصف،الفصل الأول: ١٧ ،رقم الحديث: ١٠٨٥)/الصحيح لمسلم،باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الصف الأول (ح: ٤٣٦)/مسند أبى داؤد الطيالسى،النعمان بن بشير (ح: ٨٢٧)/مسندالإمام أحمدبن حنبل،حديث النعمان بن بشير (ح: ١٨٣٨٩)/ الصحيح للبخارى،باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها (ح:٧١٧)/مسندالبزار،مسند النعمان بن بشير (ح:٣٢١٥)انيس)

وعن أبى مسعود الأنصارى ... قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح مناكبنا فى الصلاة ويقول: استووا. (مشكوة، باب تسوية الصف،الفصل الأول: ١٧ ،رقم الحديث: ١٠٨٥)/الصحيح لمسلم،باب تسوية الصفوف وإقامتها و فضل الصف الأول (ح: ٤٣٢)/مسندالإمام أحمد،بقية حديث أبى مسعود الأنصارى (ح:١٧١٠٢)/الصحيح لابن خزيمة، باب الأمر بتسوية الصفوف قبل تكبير الإمام (ح: ١٥٤٢)/مسندالسراج،باب فى تسوية الصفوف فى الصلاة (ح:٧٦٥)انيس)

وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الأخر .(رد المحتار ،باب صفة الصلاة،بحث القيام: ١/٤١٤،ظفير)

==

مردوں کے لئے ٹخنوں سے ٹخنے ملانے کا حکم:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم میں فرض نماز پڑھنے کے طریقے کے بیان میں درج ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور دونوں باز و خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔ دو اول الذکر امور میں مردوں کے لئے جو اختلاف ہے وہ تو اسی صفحہ میں درج ہے آخر الذکر امر میں کوئی اختلاف درج نہیں فرمایا گیا ،پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مردوں کو بھی دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دینا چاہئے اس کی بابت بہشتی گوہر میں بھی کچھ تذکرہ نہیں؟

(۱) عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت سے دونوں پیر کے ٹخنے ملانا چاہئے یا صرف رکوع کے وقت؟

(۲) مردوں کو اگر دونوں پیر کے ٹخنے نہ ملانا چاہئے تو دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہئے؟

الجواب

(۱) ٹخنوں کو رکوع میں ملانے کے متعلق فقہا کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے یعنی مردوں کے لئے بھی الصاق کعبین کو لکھا ہے، (۱) مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا گیا، لہٰذا ملانے میں بناءً علی الروایات الفقہیہ اور نہ ملانے میں بناءً علی عدم النقل فی الاحادیث دونوں میں گنجائش ہے۔

(۲) قیام کی حالت میں ٹخنے ملانا نظر سے نہیں گذرا۔

==☆ ''إلصاق كعبين'' کا مطلب کیا ہے:

سوال: ''إلصاق الکعبین'' یعنی ایک پیر کا ٹخنہ دوسرے پیر کے ٹخنہ سے ملانا مراد ہے یا محاذاۃ میں رکھنا؟ غرض ''إلصاق الکعبین'' کا کیا مطلب ہے اور کیا مراد ہے؟

الجواب

شامی، باب صفة الصلوٰۃ، میں یہ عبارت بھی موجود ہے جس سے مطلب الصاق الکعبین کا حاصل ہو جاتا ہے:

وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع، هٰكذا روى عن أبي نصر الدبوسي أنه كان يفعله، كذا في الكبرىٰ. وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الاٰخر، كذا في فتاوٰى سمرقند، الخ. (ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة، بحث القيام: ٤١٤/١، ظفير)

پس ہوسکتا ہے کہ مراد ''الصاق کعبین'' سے محاذات میں رکھنا ایک کعب کا دوسرے کعب سے ہو، جیسا کہ الصاق کعب بالکعب مقتدیوں کے بارہ میں آثارِ صحابہ میں وارد ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۵۷-۳۵۸)

(۱) اس جواب سے رجوع فرما لیا گیا ہے جو اگلے سوال پر آرہا ہے بہشتی زیور (۲/۱۷) کے حاشیہ میں ہے، گو درمختار میں یہ حکم مطلق ہے، مگر قواعد سے یہ حکم عورتوں کے لئے مخصوص معلوم ہوتا ہے: **لكونه أسترلهن وورود أمر الضم ومثله لهن**، باقی مردوں کے لئے یہ حکم نہیں، وہ ٹخنے جدا رکھیں۔ **كما يظهر من كلام الطحاوي في معاني الآثار، ص: ١٣٦، سطر: ا، جلد: ١** -سعید احمد

(۳) جس حالت میں ٹخنے نہیں ملائے جاتے جیسے قیام میں اس میں بمقدار چار انگل ہاتھ کے فاصلہ رکھنا چاہئے۔

فی رد المحتار، بحث القیام:

وینبغی أن یکون بینهما (أی بین القدمین) مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع، هکذاروی عن أبی نصر الدبوسی أنه کان یفعله، کذا فی الکبریٰ. (الدرالمختار: ۱/ ٤٤٤)(۱)

۲ / ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ۔ (تتمہ خامسہ: ۲۵۶)

سوال: بعد از ابدائے سلام مسنون بصد نیاز عارض مدعا ام کہ درالنور بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ صفحہ: ۱۳ در جواب سوال الصاق کعبین تحریر فرمودہ اند کہ!

''فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے، مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا۔ لہٰذا ملانے نہ ملانے دونوں میں گنجائش ہے'' انتہٰی ملتقطاً۔

اور مولانا عبدالحی مرحوم درسعایہ بریں مسئلہ بہ بسط تام بحث فرمودہ وآخر کار فرمودہ کہ!

''مراد فقہاء از الصاق محاذات احدی الکعبین است بالآخر نہ الصاق حقیقی''۔

نیز فرمودہ کہ امام کسانیکہ الصاق آوردہ زاہدی ست ونسبت زاہدی درنافع الکبیر وفوائد بہیہ نوشتہ اند:

''وإن کان إمامًا جلیلاً فی الفقه لکنه متساهل فی نقل الروایات وأیضًا هو معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع، قال صاحب رد المحتار فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة (۲) فی کتاب الإجارة: الحاوی الزاهدی مشهور بنقل الروایات الضعیفة، ولهٰذا قال ابن وهبان وغیره أن لاعبرة بما یقوله الزاهدی مخالفًا لغیره، انتهٰی ملخصاً.

معروض خدمت بابرکت آن ست کہ کدام از سعایہ والنور صحیح تر است براہ کرم تشفی فرمودہ باشند۔ (۳)

---

(۱) **کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القیام: ۱/ ٤٤٤، دار الفکر بیروت. انیس**

(۲) **العقود الدریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب الإجارة: ۲/ ۱۲۷، دار المعرفة بیروت/ و کذا فی ردالمحتار، باب الکنایات: ۳/ ۳۰۸، دار الفکر بیروت. انیس**

(۳) خلاصہ سوال: الصاق کعبین کے سوال کے جواب میں النور میں لکھا گیا ہے کہ فقہا کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے، الخ۔

اور مولانا عبدالحی صاحب سعایہ (۲/ ۱۸۰-۱۸۲) میں اس مسئلہ پر مفصل بحث فرما کر لکھتے ہیں کہ الصاق سے فقہا کی مراد محاذات ہے، الصاق حقیقی مراد نہیں ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ! الصاق کا تذکرہ زاہدی نے مجتبیٰ میں کیا ہے، (اور انہی سے بعد کے تمام فقہا نقل کرتے رہے ہیں) اور زاہدی کے متعلق النافع الکبیر اور الفوائد البہیہ میں لکھا ہے کہ! وہ فقہ میں عظیم المرتبت امام تھے؛ لیکن نقل روایات میں متساہل تھے، نیز وہ عقیدۃً معتزلی تھے اور علامہ شامی نے تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں لکھا ہے کہ زاہدی کی الحاوی روایات ضعیفہ نقل کرنے میں مشہور ہے، جس کی وجہ سے ابن وہبان وغیرہ فرماتے ہیں کہ زاہدی کا جو قول دیگر فقہا کے خلاف ہو، اس کا اعتبار نہیں، لہٰذا معروض اینکہ النور اور سعایہ کی تحقیق میں کونسی صحیح تر ہے؟ براہ کرم تشفی فرماویں گے۔ سعید احمد

الجواب

چوں منطوق قاضی است بر مفہوم ومفسر بر مبہم لہٰذا تحقیق سعایہ در عمل ترجیح دارد وقول من کہ ''حدیث میں کہیں نہیں دیکھا'' اشارہ بہمیں خدشہ بود کہ از قواعد در دل افتادہ بود۔(۱)

۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ۔(ترجیح خامس، صفحہ:۱۳۸)(امداد الفتاویٰ جدید:۲۲۱/۱-۲۲۴)

حالت قیام میں قدم سے قدم ملانا:

سوال: غیر مقلدین اور عرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں؛ یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم ملانے کا حکم ہے، کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب

غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں، اس میں دو لفظ آتے ہیں: (۱) الصاق (۲) الزاق۔ ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں: (۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا، جیسے: ''به داء وسخ ،به مرض''. (۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ، جیسے: ''مررت بزيد'' یعنی میں زید کے قریب سے گزرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔

ملاحظہ ہو، مشکوۃ میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''إذا صلى أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره إلا يكون علىٰ يساره أحد وليضعهما بين رجليه وفي رواية أوليصل فيهما''. رواه أبو داؤد، وروى ابن ماجة معناه. (مشکوۃ: ۷۳/۱)(۲)

وقال الشيخ ناصر الدين الألباني عن هٰذا الحديث بإسنادين أحدهما حسن بالرواية الأولىٰ و الآخر صحيح بالرواية الأخرى كما حققه في صحيح السنن: ٦٦١-٦٦٦. (تعليق الألباني علىٰ مشكوٰة: ۷۶۹/۱)

(۱) ترجمۂ جواب: چونکہ مفہوم اور مبہم کے مقابل منطوق اور مفسر کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے، لہٰذا سعایہ کی تحقیق پر عمل راجح ہے اور میرا قول کہ ''حدیث میں کہیں نہیں دیکھا'' اسی خدشہ کی طرف اشارہ تھا کہ قواعد سے یہ جواب ذہن میں آیا ہے؛ لیکن کسی حدیث میں نہیں دیکھا ہے۔ سعید احمد

(۲) سنن أبي داؤد، با المصلي إذا خلع نعليه أين يضعهما (ح: ٦٥٤)/عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألزم نعليك قدميك فإن خلعتهما فاجعلهما بين رجليك ولا تجعلهما عن يمينك ولا عن يمين صاحبك ولا وراءك فتؤذي من خلفك. (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في أن توضع النعل (ح: ١٤٣٢) انيس)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دو مصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ دائیں بائیں جوتا رکھے؛ کیونکہ جگہ نہیں ہے۔

(۲) عن أبی مسعود الأنصاری رضی اللّٰہ عنه قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یمسح مناکبنا فی الصلاة ویقول: "استووا فتختلف قلوبکم". الحدیث رواه مسلم. (مشکوٰة: ۹۸/۱)(۱)

(۳) إن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: "أقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل". (رواه أبواؤد: ۹۷/۱)(۲)

(۴) عن أبی القاسم الجدانی قال: سمعت النعمان بن بشیر رضی اللّٰہ عنه یقول: أقبل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علی الناس بوجهه فقال: "أقیموا صفوفکم ثلاثاً واللّٰہ بین قلوبکم"، قال: فرأیتُ الرجل یلزق منکبه منکب صاحبه ورکبته رکبة صاحبه وکعبه بکعب صاحبه. (رواه أبو داؤد: ۹۷/۱)(۳)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں؛ ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے، جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملاسکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامت صفوف اور اعتدال صفوف کا ذکر ہے، اسی طرح استقامت بدن کا بھی حکم ہے اور استقامت بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ الزاق کو مجازی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالت قیام کے لئے ہے، یا رکوع اور سجدے کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے اور اگر منفرد کے لئے بھی ہو تو پھر وہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کے درمیان چار انگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وینبغی أن یکون بینهما (أی القدمین) مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع (رد المحتار: ۴۴۴/۱، بحث القیام، سعید)

---

(۱) الصحیح لمسلم، باب تسویة الصفوف وإقامتها وفضل الصف الأول (ح: ۴۳۲) انیس

(۲) سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ۶۶۶) انیس

(۳) سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ۶۶۲) انیس

اور شوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعية قدروا التفريج بينهما بقدر شبر... فيكره أن يقرن بينهما أويوسع أكثرمن ذلک كما يكره تقديم أحدهما على الأخرىٰ. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۵۹/۱)(۱)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہے اور ان کے نزدیک پاؤں کو ملانا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا مکروہ ہے۔

المالكية قالوا: تفرج القدمين مندوب لاسنة، وقالوا: المندوب هو أن يكون بحالة متوسط، بحيث لايضمهما ولايوسعهما كثيرًا، حتىٰ يتفاحش عرفًا ووافقهما الحنابلة علىٰ هذا التقدير إلا أنه لا فرق عند الحنابلة بين تسميته مندوبًا أو سنة. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۶۰/۱)(۲)

یعنی: مالکی حضرات کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے، نہ کہ سنت اور مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہو، نہ مکمل ملا دے اور نہ بہت زیادہ، اس طور پر کہ عرف میں برا محسوس ہو اور حنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کو نہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے، جیسا کہ حضرت شیخ زکریا نے تحریر فرمایا ہے:

وقال الموفق: "يكره أن يلصق إحدىٰ قدميه بالأخرىٰ في حال قيامه لما روى الأثرم عن عيينة بن عبد الرحمن قال: كنت مع أبي في المسجد فرأى رجلًا يصلي قد صف بين قدميه وألزق إحديهما بالأخرىٰ فقال أبي: لقد أدركت في هذا المسجد ثمانية عشر رجلا من أصحاب النبي صلى اللّٰه عليه

---

(۱) إطالة القراءة في الركعة الأولىٰ عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام: ۲۳٤/۱، دار الكتب العلمية
(ويفرق ركبتيه) وكذا قدميه قدرشبر، لأن أباحميد رواه، وكذا يفرج بين فخذيه نص عليه. (النجم الوهاج في شرح المنهاج، باب صفة الصلاة: ۱۵۱/۱، دار المنهاج جده. انيس)

إطالة القراءة في الركعة الأولىٰ عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام: ۲۳٤/۱-۲۳۵، دار الكتب العلمية

(و) كره (وضع قدم على أخرىٰ) لأنه عبث (وإقرانهما) أي ضمهما كالمكبل أي القيد معتمداً عليهما دائماً فيجعل حظهما من القيام دائماً وهذا إذا اعتقد أنه لابد من ذلک في الصلاة وكره لئلا يشتغل بذلک فإن لم يعتقد ذلک لم يكره لما أنه إذا روح بأن اعتمد على واحدة تارة على أخرىٰ أو عليهما لا دائماً فيجوز، قاله: تت، وأشعر قاتصاره على كراهة إقرانهما بجواز تفريقهما على أن صاحب الطراز قال: تفريق القدمين أي توسعهما على خلاف المعتاد قلة وقار أي فيكره كإقرانهما وإلصاقهما زياده تنطع فيكره، اه. (شرح الزرقاني على مختصر خليل وحاشية البنائي، فصل فرائض الصلاة: ۳۸۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

والمستحب في حال القيام أن يفرق بين قدميه فيما ذكره أصحابنا. (شرح العمدة لابن تيمية، تفريق القدمين حال القيام: ٤۵/۱، دار العاصمة الرياض. انيس)

وسلم مارأيت أحدًا منهم فعل هذا قط وكان ابن عمر رضى الله عنه لايفرج بين قدميه ولايمس إحديهما الأخرىٰ ولكن بين ذلك لايقارب ولايباعد".(حاشية لامع الدرارى: ۲۸۰/۱،سعيد)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

ولايخفى أن فى إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناكب بالمناكب والركب بالركب مشقة عظيمة لاسيما مع إبقاء ها كذلك إلىٰ آخر الصلاة كما هو مشاهد،والحرج مدفوع بالنص،فالمراد منه جعل بعضها فى محاذاة بعض...قال الحافظ فى الفتح تحت قول البخارى: باب إلزاق المنكب بالمنكب،والقدم بالقدم فى الصف:"أى اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيًا لمنكب الآخر ومسامتاً له فتكون المناكب والأعناق والأقدام علىٰ سمت واحد.(۲۵۱/۱)

قال الشيخ:ولو حمل الإلزاق على الحقيقة،فالمراد منه إحداثه وقت الإمامة تسوية الصف، فإن إحداث الإلزاق بين تلك الأعضاء طريق تحصيل هذه التسوية ولا دلالة فى الحديث على الصلاة بعد الشروع فيها ، ومن ادعىٰ ذلك فليأت بحجة عليه. (إعلاء السنن: ۳۶۰/٤، باب سنية تسوية الصف ورصها،إدارة القرآن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہو گیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال:أقيموا صفوفكم،فإنى أراكم من وراء ظهرى وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه.(رواه البخارى:۱۰۰/۱)(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"قلت: وقول أنس رضى الله عنه:"كان أحدنا"وقوله:"ولقد رأيت أحدنا"يفيد أن الفعل المذكور كان فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم ولم يبق بعده كما صرح به قوله فى رواية معمر: ولو فعلت ذلك بأحدهم اليوم لنفر كأنه بغل شموس" فلو كان ذلك سنة مقصودة من سنن الصلاة لم يتركه الصحابة رضى الله عنه ولم يتنفر منه أحد ، فالصحيح ماقلنا:إن ذلك كان للمبالغة فى تسوية الصف حين الإقامة لا بعدها فى داخل الصلاة،فافهم.(إعلاء السنن:۳۶۰/٤ـ ۱۳۲۵، باب سنية تسوية الصف ورصها،إدارة القرآن)

---

(۱)　الصحيح للبخارى،باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فى القيام (ح:۷۲۵)انيس

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہ تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنت مقصود نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۳۳/۲-۱۳۷)

موضع قدمین سے سجدہ کی بلندی کس قدر درست ہے:

سوال: قدمین سے کسی قدر بلندی پر سجدہ بلا عذر درست ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ گاہ ایک بالشت یا اس سے اونچائی میں کم ہو تو اس پر سجدہ بحالت عذر درست ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ گاہ ایک بالشت یا اس سے زیادہ بلندی پر ہے، تو سجدہ مطلقا جائز ہے یا نہیں؟

فقہ کی عبارتوں میں "إلا بزحمة" کے تحت ایک ہی نماز میں ایک مصلی کا دوسرے مصلی کی پشت پر سجدہ کرنا درست قرار دیا گیا ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے مساجد میں خطیب کے وہ منبر جو ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر واقع اور اینٹ اور سمنٹ سے پختہ بنے ہوئے ہیں، جن کا ہٹانا زحمت سے خالی نہیں تو کیا اس پر سجدہ کرنا جائز ہے؟ جب کہ بعض فتاویٰ ایسے موجود ہیں کہ ایسی جگہ پر قطع صف کے طور وہ جگہ خالی چھوڑ دی جائے، اس پر سجدہ نہ کرنا چاہیے تو پھر الا بزحمۃ کے تحت پشت مسجود بھی تو ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر ہے اس کی تخصیص کیوں ہے؟ اور "الابزحمة" میں وہ منبر وغیرہ کیوں نہیں داخل ہیں بالتفصیل تحریر فرمائیں؟ والسلام (المستفتی: صفات اللہ اعظمی)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اعلی بات تو یہ ہے کہ موضع سجود موضع قدمین ہی کے سطح پر ہو باقی اگر موضع سجود، موضع قدمین سے کچھ اونچا ہو جائے، تو ایک بالشت تک کی اونچائی مع الکراہت جائز رہتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے بھی جہاں تک ہو احتراز کیا جائے اور اگر موضع سجود ایک بالشت سے بھی زیادہ اونچا ہو جائے تو جائز نہیں۔ (**کما فی الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار: ۳۳۸/۱**)(۱)

البتہ "إلا بزحمة" سے ایک بالشت کی اونچائی سے کچھ زائد اونچائی کا استثنا کیا گیا ہے۔

کما فی الدر المختار: "(وإن سجد للزدحام علیٰ ظهر مصل صلوٰته) التی هو فیها (جاز) للضرورة وإن لم یصلها، لا". (۲)

---

(۱) (ولو كان فی موضع سجوده أرفع من موضع القدمين بمقدار لبنتين منصوصتين جاز) سجوده (وإن أكثر لا) إلا بزحمة، كمامر. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۶۹/۱، دار الكتب العلمية. انيس)

(۲) الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دار الفكر بيروت

وأما السجود على ظهر مصل للضيق فإن استحدت الصلاتان وكان السجود عليه ساجداً على الأرض جاز وإلا لا. (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۲۱۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

اس استثنا میں دو قید ہیں:

ایک تو زحمت اور زحمت کا مطلب یہ ہے کہ مصلی اتنے زیادہ ہوں کہ صفیں اتنی قریب قریب کرنی پڑیں کہ پچھلے مصلی کو اگلی مصلی کی پشت پر سجدہ کیے بغیر چارہ نہ ہو اور صورتِ مسئولہ میں ایسا نہیں اور زحمت و بھیڑ نہیں کہ پچھلے مصلیوں کو اگلے مصلیوں کی پشت پر سجدہ کرنا لازم ہو رہا ہو، یہاں پر صرف دو مصلی جو منبر کے محاذات میں ہوں گے صرف ان کو سجدہ علی الارض کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ کو زحمت پر قیاس کر کے "إلا بـزحمة" کے تحت داخل کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ جس طرح اسطوانہ وغیرہ حائل ہونے سے جگہ چھوڑ دی جاتی ہے، جگہ چھوڑ نا ہوگا اور جس طرح حیلولۃ اسطوانہ سے انقطاع صف مضر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ انقطاع بھی **قادح فی الصلوٰۃ** نہ ہوگا۔

دوسری چیز اس استثنائی حکم میں "**علٰی ظهر مصلی صلوٰة هو فيها**" کی قید ہے، اس قید کا احترازی ہونا اغلب ہے، جیسا کہ شامی کی تحقیق سے مترشح ہوتا ہے؛(۱) کیوں کہ تمام متون اس قید کو ذکر کرتے ہیں، صرف قہستانی (۲) نے اس قید کو ذکر نہیں کیا، یا اطلاق کو اختیار کیا، مگر عقود رسم المفتی میں قہستانی کو یہ مرتبہ فقہاءِ محققین نے نہیں دیا ہے کہ ان کو اہل ترجیح کا منصب دیا جائے۔

اسی طرح **ظهر مصل صلوٰته** کے علاوہ صورتوں میں ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر جواز سجدہ کا حکم مشکل ہوگا، پس صورت مسئولہ میں اس منبر کے حصہ پر سجدہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

علاوہ ازیں اس صورت میں اور اتنی اونچائی میں سجدہ کا تحقق فی الجملہ اور حکمی سجدہ کا تحقق بھی مشتبہ ہو جائے گا اور سجدۂ حقیقی یا حکمی یا فی الجملہ بہر حال رکن اصلیہ میں داخل ہوتا ہے، اس لیے بھی اس کی گنجائش نہ دی جانی چاہیے۔

هٰذا من عندالشرع الشريف فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیو بند۔ ۲۶/۲/۱۳۹۵ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۳-۱۶۵)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دار الفكر بيروت. انيس

(۲) (وعلى ظهر من يصلى صلاته)أى صلاة الساجدوهذا إذا كان ركبتاه على الأرض وإلا فلايجزيه وقيل لايجزيه إل إذا سجدالثانى على الأرض وقال صدرالقضاة:يجزيه وإن كان سجود الثانى على الثالث،كما فى جمعة الكفاية (فى وقت الزحام)أى مدافعة بعض بعضاًفى المضيق بكثرة المصلين بالجماعة وفى الكلام إشارة إلى أن المستحب التاخير حتى يزول الزحام كما فى الجلابى،وإلى أن لايجوزعلى غيرالظهرلكن فى لزاهدى :يجوزعلى الفخذين والكمين بعذر على المختار وعلى الدين والكمين مطلقاً وإلى أن لايجوزعلى ظهرغيرالمصلى كما قال الحسن لكن فى الأصل أنه يجوزفى الزحام ،كما فى المحيط،وفى تيمم الزاهدى يجوزعلى ظهر كل ماكول وإلى أنه لو وجد فرجة وسجد على ظهرلم يجز،كما فى قاضيخان،الخ.(جامع الرموز،باب صفة الصلاة: ۷۰/۱،مطبع نول كشورلكهناؤ.انيس)

تکبیر تحریمہ کے چند مسائل:

سوال:(الف)　دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ رکعت باندھتے وقت کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے بجائے تھوڑا سا اوپر اٹھاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ب)　بعض لوگ تھوڑا سا جھک کر رکعت باندھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

(ج)　کچھ لوگ ہاتھ کانوں سے لگاتے ہیں، لیکن ہاتھوں کا رخ کانوں کی طرف ہوتا ہے نہ کہ قبلہ کی طرف، کیا اس طرح تحریمہ باندھا جاسکتا ہے؟　(محمد نصیر عادل، دربھنگہ)

الجواب

(الف)　تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھا کانوں کی لو کے مقابل ہو، اور انگلیاں کان کے اوپری حصہ کے مقابل، اور ہتھیلی کا نچلا حصہ مونڈھوں کے مقابل، اس طرح تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کی جو مختلف کیفیتیں حدیث میں مروی ہیں، ان سب پر عمل ہوجاتا ہے، اس لئے فقہا نے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔(۱)

چونکہ یہ سنت ہے، اس لئے اگر اس عمل کا استخفاف اور اس کو غیر اہم قرار دینا مقصود نہ ہو تو مکروہ نہیں، البتہ بہتر طریقہ کے خلاف ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ یہ ''موجب اساءت'' ہے اور ''اساءت'' کراہت سے کمتر درجہ ہے۔(۲)

''ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءة...وقالوا:الإساءة أدون من الکراهة''.(۳)

(ب)　تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت سر کو جھکانا نہیں چاہئے، فقہا نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

''وأن لایطأطئ رأسه عند التکبیر''.(۴)

---

(۱)　الفتاویٰ الهندیة : ۷۳/۱ (الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها،دار الفکر بیروت.انیس)

(۲)　اس بارے میں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم مصریؒ کی رائے اس کے برعکس ہے، یہ حضرات ''إساءة'' کو کراہت سے فزوں تر سمجھتے ہیں، علامہ ابن نجیمؒ نے شرح منار میں لکھا ہے:

''أن الإساءة أفحش من الکراهة''.(کذا فی البحر الرائق:۱۲۲/۷،دار الکتاب الإسلامی بیروت.انیس)

نیز علامہ حصکفیؒ نے ''الدر المختار''میں اس کی ترجمانی کی ہے۔(دیکھئے:الدر المختار مع رد المحتار،باب صفة الصلاة:۱۷۰/۲،ط:دیوبند)(وظاهر کلام بعضهم:تختص الإساءة بالحرام فلا یقال أساء إلا لفعل محرم.(التحبیر شرح التحریر:۱۰۱۳/۳،مکتبة الرشد.انیس)

اس لیے اس قول کے مطابق تحریمہ کے مسنون طریقہ کی خلاف ورزی گناہ کا باعث ہوگی۔واللہ اعلم (محشی)

(۳)　الدر المختار،باب صفة الصلاة،سنن الصلاة:۷۳/۱،انیس

(۴)　الدر المختار،باب صفة الصلاة،سنن الصلاة:۷۳/۱،نیز دیکھئے:الفتاوی الهندیة:۷۳/۱،انیس

(ج) ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے، نہ کہ کان کی طرف، اس طرح ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔

"یستقبل ببطون کفیه إلی القبلة". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۶۶-۱۶۸) ☆

---

(۱) الدر المختار: ۱/۷۲ (الدر المختار: ۱/٦٦، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، دار الکتب العلمیة میں "یستقبل بکفیه القبلة" ہے، یہ عبارت بعینہ المحیط البرهاني، الفصل الرابع فی کیفیتهما: ۱/۲۹۱، دار الکتب العلمیة میں موجود ہے: وقال أبو جعفر: یستقبل بطون کفیه القبلة وینشر أصابعه وترفعهما فإذا استقرتا فی موضع المحاذاة یعنی محاذاة الإبهامین شحمة الأذنین یکبر، قال شمس الأئمة السرخسی: وعلیه عامة المشائخ. انیس)

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھایا جائے:

سوال: تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کا دونوں کان سے متصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ امام نے نیت باندھتے وقت دونوں ہاتھ کو کان سے چار انگل فاصلہ پر رکھا پس اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا کان کی لَو کے برابر اٹھانا مسنون ہے، کان کی لَو کو چھونا ضروری نہیں، فقہ کی کتابوں میں اس سلسلہ میں محاذات کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ محض مقابل ہیں اور برابری میں لے آنے کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خالد سیف اللہ رحمانی۔ ۱۳۹۷/۹/۱۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۸۹)

فقہ کی کتابوں میں محاذات کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد دونوں انگوٹھے سے دونوں کان کی لو کو چھونا ہے۔

درمختار میں ہے:

"(ورفع یدیه) ... (ماسا بإبهامیه شحمتی أذنیه) هو المراد بالمحاذاة لأنها لا تتیقن إلا بذلک" (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۲/۱۸۲) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انیس)

علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

"والمراد بالمحاذاة أن یمس بإبهامیه شحمتی أذنیه لیتیقن بمحاذاة یدیه بأذنیه کما ذکره فی النقایة" (البحر الرائق: ۱/۳۲۲) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انیس)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے بالمقابل اٹھائے اور اپنے دونوں انگوٹھے کے کنارے سے اپنے دونوں کان کی لو کو چھوئے اور اس کی انگلیاں اس کے دونوں کانوں کے اوپر ہوں، ملاحظہ ہو، قاضی خان کی عبارت:

"ویرفع یدیه حذاء أذنیه ویمس طرف إبهامیه شحمة أذنیه وأصابعه فوق أذنیه" (فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندیة: ۱/۸۵) (کتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، انیس)

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے بالمقابل اس طرح اٹھایا جائے کہ دونوں انگوٹھے کا کنارہ دونوں کانوں کی لو سے ملا ہوا ہو اور بقیہ انگلیاں دونوں کانوں کے اوپر ہوں۔ [مجاہد]

تکبیر تحریمہ ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے:

سوال: تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے، یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس میں تین قول ہیں:

(۱) ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے۔

(۲) ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے۔ رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتدا کرے اور اس کے ختم پر تکبیر ختم کرے۔

(۳) ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے، یہی راجح ہے۔

قال فی العلائية: (ورفع يديه) قبل التكبير، وقيل معه.

وفی الشامية: الأوّل نسبه فی المجمتع إلٰی أبی حنيفة ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالٰی. وفی غاية البيان إلٰی عامة علمائنا وفی المبسوط إلٰی أكثر مشايخنا، وصحّحه فی الهداية. والثانی اختاره فی الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط، بأن يبدأ بالرفع عند بداء ته التكبير ويختم به عند ختمه، وعزاه البقالی إلٰی أصحابنا جميعًا ورجّحه فی الحلية. وثمة قول ثالث وهو أنّه بعد التكبير والكلّ مروی عنه عليه الصلٰوة والسلام. (۱) وما فی الهداية أولٰی كما فی البحر والنهر، ولذا اعتمده الشارع فافهم. (رد المحتار: ۱/ ٤٥٠) (۲) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۴/ صفر ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۱۹)

بوقت تکبیر تحریمہ انگلیوں کی کیفیت:

سوال: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں، کھلی رکھے یا ملا کر؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) عن البراء بن عازب قال: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم إذا كبر لافتتاح الصلاة رفع يديه حتی يكون إبهاماه قريباً من شحمتي أذنيه. (شرح معانی الآثار، باب رفع اليدين فی افتتاح الصلاة إلی أين هو (ح: ١١٦٥)

عن علی بن أبی طالب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أنه كان إذا قام إلی الصلاة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه، الخ. (شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع (ح: ١٣٣٦)

عن أبی حميد قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إذا قام إلی الصلاة رفع يديه حتی يهاذی بهما منكبيه ثم يكبر، الخ. (شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع (ح: ١٣٤١)

(۲) باب صفة الصلاة، مطلب فی حديث: "الأذان حزم" انيس

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے، انگوٹھوں کو کانوں کی لو سے لگائے اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے۔

قال فی التنویر:(وسنتها)...(رفع الیدین للتحریمة)...(ونشر الأصابع)أی ترکها بحالها.

وفی الشامیة:قوله:(أی ترکها بحالها)قال فی الحلیة:ظنّ بعضهم أنه أراد بالنشر تفریج الأصابع وهو غلط،بل أراد به النشر عن الطی،یعنی یرفعهما منصوبتین لامضمومتین حتٰی تکون الأصابع مع الکف مستقبلة للقبلة ثم لایخفی أنه لاتتوقف السنّة علی ضم الأصابع أو لا،بل لو کانت منشورة غیر متفرجة کل التفرج ولامضمومة کل الضم ثمّ رفعهما کذلک مستقبلاً بهما القبلة فقد أتی بالسنّة،اهـ .(رد المحتار:۱/۴۴۳)(۱)

وفی التنویر:(ورفع یدیه)...(ماسًّا بإبهامیه شحمتی أذنیه)وقال الشارح:هو المراد بالمحاذاة لأنها لاتتیقن إلا بذلک،ویستقبل بکفیه القبلة،وقیل خدیه.(رد المحتار:۱/۴۵۰)(۲)فقط واللّٰه تعالی أعلم

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸٦ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۱۸-۱۹)

بوقت تحریمہ مس اذنین:

سوال: شرح وقایہ میں حاشیہ کے اوپر مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

”وهو لیس بسنة مستقلة،فإنه لادلیل علیه فی روایة“.(۳)

لہٰذا اگر کسی شخص نے رفع یدین کے وقت میں مسح اذنین کیا، تو خلاف سنت ہوگا؟ ور بغیر مس کے سنت ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ نیز مس اذنین کے وقت اکثر لوگوں کی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوتی تو یہ خلاف سنت ہوگا یا نہیں، اور بغیر مس کے بھی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیًا

عبارت منقولہ فی السوال کے متصلاً بعد یہ عبارت بھی ہے:

”ولعل من استحبه إنما استحبه للمحاذاة دفعاً للوسوسة“.(۴)

---

(۱)　کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:فی قولهم الإساءة دون الکراهة،انیس

(۲)　کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انیس

(۳-۴)　عمدة الرعایة فی شرح الوقایة،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱/۱۴۳، سعید

حاصل یہ ہے کہ اصل سنت (رفع یدین) کی مقدار و تحدید کی تحقیق کے لیے مس ہے، (۱) پس یہ سنت کی ادائیگی میں معین ہے، معارض نہیں۔ ہتھیلی کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔ (۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۲/۵-۵۸۳)

"اللّٰہ أکبر" میں 'راء' کو 'دال' کی آواز سے ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: زید کا بخیال اس کے کہ عام لوگ تکبیر انتقالی نماز میں "اللّٰہ أکبر" کی 'را' کو اس قدر کھینچتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نماز میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ "اللّٰـــہ أکبر" کی 'را' کو اس طرح خارج کرنا کہ بجائے 'را' کے عام لوگ 'دال' محسوس کریں، شرعاً کیسا ہے؟

(۱) عن وائل بن حجر: رأى النبي صلى الله عليه وسلم إذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى تكاد إبهاماه تحاذي شحمة أذنيه. (سنن النسائي، باب موضع الإبهامين عندالرفع (ح: ۸۸۲)/ وكذا في سنن أبي داؤد، باب افتتاح الصلاة (ح: ۷۳۷)/ مسند الإمام أحمد، حديث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸٤۹) انيس)

(۲) (ورفع يديه) ... (ماساً بإبهاميه شحمتي أذنيه) هو المراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتيقن إلا بذلك، ويستقبل بكفيه القبلة". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ٤۸۲/۱، سعيد)

قال قاضي خان: ويمس طرفي إبهاميه شحمة أذنيه. (البناية شرح الهداية، باب صفة الصلاة: ٦٦/۱، دار إحياء الكتب العربية)

والمراد بالمحاذاة أن يمس إبهاميه شحمتي أذنيه بمحاذاة يديه بأذنيه. (البحر الرائق، آداب الصلاة: ۳۲۲/۱، دار الكتاب الإسلامي. انيس)

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت کان کی لو کو چھونا:

سوال: ایک صاحب نے مجھ سے اعتراض کیا کہ کان کی لو مس کر کے نیت نہیں باندھئے، نماز نہیں ہوتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نیت باندھنے میں ہاتھ کی ہتھیلی کا کان تک یا کان کی لو تک اٹھانا فرض ہے یا سنت یا واجب، کیا ہے؟ اگر کسی نے سینے تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لی تو نماز ہوگئی یا نہیں یا مکروہ ہوئی؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تکبیر افتتاح کے وقت کانوں کی لو مس کرنا نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ حرام ہے، مس کرنے سے اور مس نہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس سے معلوم ہوگیا کہ مس کی کیا حیثیت ہے، کرے تب بھی مضائقہ نہیں، نہ کرے تب بھی حرج نہیں۔ ((وإذا أراد الشروع في الصلاة كبر) ... (ورفع يديه ماساً بإبهاميه شحمتي أذنيه) هو المراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتيقن إلا بذلك. واعتمد ابن الهمام التوفيق بأنه عند محاذاة اليدين للمنكبين من الرسغ تحصل المحاذاة للأذنين بالإبهامين، وهو صريح رواية أبي داؤد... وقال في شرح مسلم: إنه المشهور من مذهب الجماهير". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ٤۷۹/۱-٤۸۳، سعيد) فقط والله أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۲/۵)

الجواب

ایسا نہ کرنا چاہئے، تبدیلی حروف جائز نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۳/۲)

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑے:

سوال: کبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھے یا چھوڑ کر پھر باندھے، صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ کے بعد اور وتر میں دعائے قنوت سے، اسی طرح نماز عید کی پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھا کر باندھ لئے جائیں، ہاتھ چھوڑ کر پھر باندھنا کسی سے ثابت نہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ ثنا اور قرأت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے رکھے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باندھنے کا حکم ہے؛ (کیونکہ وہ ہاتھ باندھنے کو قیام کی سنت قرار دیتے ہیں) اور امام محمدؒ کے نزدیک ثنا کے وقت چھوڑنے کا حکم ہے .(ان کے نزدیک ہاتھ باندھنا قرأت کے آداب میں سے ہے۔

"إذا أراد الرجل الدخول فی الصلاۃ أخرج کفیه من کمیه ثم رفعهما حذاء أذنیه ثم کبر بلامد ناویًا...ثم وضع یمینه علٰی یساره تحت سرته عقب التحریمة بلا مهلة مستفتحًا.(نورالایضاح:۷٦)(۲)

یعنی: جب مرد نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں آستین سے نکالے پھر ان کو کانوں کے مقابل اٹھائے پھر تکبیر کہے بلامد کے، نیت کرتے ہوئے پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔ تحریمہ کے بعد بلا تاخیر کے ثنا پڑھتے ہوئے۔

اور ''مراقی الفلاح'' میں ہے:

(تحت سرته عقب التحریمة بلا مهلة)لأنه سنة القیام فی ظاهر المذهب وعند محمد سنة

---

(۱) تکبیر کے معنی "اللّٰه أکبر" کہنا ہے، اگر 'را' کو 'دال' سے بدل کر کہے گا تو معنی تکبیر کا ادا نہ ہوگا۔((وجهر الإمام بالتکبیر) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال ،الخ.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار ،سنن الصلاۃ: ٤٤٣/١ ،ظفیر)(کتاب الصلاۃ،باب صفة الصلاۃ،انیس)

ولابأس بالتطریب فی الأذان وهو تحسین الصوت من أن یتغیر فإن تغیر بلحنه أوما أشبه ذلک کره،قال شمس الأئمة الحلوانی:إنما یکره فیما کان من الأذکار أما قوله حي علی الصلاۃ ،حي علی الفلاح لا بأس بادخال المدفیه.(المحیط البرهانی،الفصل السادس عشر فی التغنی والألحان: ٣٥١/١-٣٥٢،دارالکتب العلمیة/وکذا فی حاشیة الشلبی ناقلاً عن فتاویٰ قاضی خان،فی باب"کیفیة الأذان والإقامة": ٩١/١،المطبعة الأمیریة بولاق .انیس)

(۲) کتاب الصلاۃ،فصل فی کیفیة ترکیب الصلاۃ: ٥٩،المکتبة العصریة،انیس

القـراء ة فيرسل حال الثناء وعندهما فى كل قيام فيه ذكر مسنون كحالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة ويرسل بين تكبيرات العيدين إذليس فيه ذكر مسنون.(٥٢)(١)

فـالاعتـمـاد سـنة القيام عندهما حتىٰ لايرسل حالة الثناء،الخ.(الجوهرة النيره: ٥٠/١)(٢)فقط والله أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۷/۳، ۳۸)

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کا ارسال یا سیدھا باندھنا:

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر پھر باندھتے ہیں، کیا اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کو لٹکا کر باندھا جائے، یا بغیر لٹکائے باندھا جائے، دونوں طرح درست ہے، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھوں کو ناف سے نیچے باندھا جائے، لٹکانا نہیں چاہیے، یہی افضل ہے۔

لـمـا قـال الـعـلامة الـحـصكفي: (ووضع)الرجل(يمينه علىٰ يساره تحت سرته آخذًا رسغها بـخـنـصـره وإبهامه)هو المختار،وتضع المرأة والخنثىٰ الكف علىٰ الكف تحت ثديها(كما فرغ من التكبير) بلا ارسال فى الأصح.

قـال ابـن عـابدين (تحت قوله بلا إرسال) هوظاهر الرواية. (ردالمحتار: ٤٨٦/١،أركان الصلاة، مطلب فى بيان المتواتر والشاذ)(٣)(فتاویٰ حقانیہ: ۷۶/۳)

(١)　كتاب الصلاة،فصل فى كيفية تركيب أفعال الصلاة: ١٠٥،المكتبة العصرية،انيس

(٢)　كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥١/١،المطبعة الخيرية،انيس

(٣)　كتاب الصلاة،فصل،إذا أراد الشروع

وفـي ظـاهـر الـرواية: كـما فرغ من التكبيرة يعتمد.(مبسوط السرخسي،كيفيةالدخول فى الصلاة: ٢٤/١، دارالمعرفة بيروت،انيس

قـال الإمـام محمد:أخبرنا أبوحنيفة (عن حماد) عن إبراهيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعتمد بإحدىٰ يديه على الأخرىٰ فى الصلاة يتواضع لله تعالىٰ .

قـال مـحمد:ويضع بطن كفه الأيمن على رسغه الأيسرتحت السرة فيكون الرسغ فى وسط الكف.(كتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشيباني: ٣١٩/١، دارالكتب العلمية بيروت،رقم الحديث: ١٢٠)

وزيـادة (حماد) فى الإسناد من مخطوطة الآثار فى مكتبة سليم آغا بإسطنبول، رقم: ٢٧٥،وجامع المسانيد للخوارزمي: ٢٩٦/١.انيس)

قـال الشيـخ عبدالحى الكهنوى:(تحت قوله تحت سرته)وعنده أبى حنيفة وأبى يوسف يضع كما فرغ من التكبيرولايرسل وبه جزم قاضيخان فى فتاواه ولم يذكرخلافاً،إلخ.(السعاية،باب صفة الصلوة: ١٥٦/٢)

نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا چھوڑ کر:

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے عین نماز میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا؛ کیوں کہ مقتدی اپنی آستین میں بت رکھتے تھے، ہاتھ چھوڑنے پر سب بت گر گئے۔ کیا اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھائی ہے حیات تک، یا نہیں؟ اگر ہاں تو کب اور کتنے دن اور اگر نہیں تو ان کے پردہ فرمانے پر دوبارہ ہاتھ باندھ کر نماز کیوں پڑھی جاتی ہے اور یہ کس وقت سے رائج ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طریقہ سے نماز پڑھنا ثابت ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہاتھ باندھ کر پڑھنے والی روایتیں راجح ہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳/۶۸-۶۹)

حنفی مقتدی فجر میں قنوت کے وقت ہاتھ چھوڑے یا باندھے:

سوال: شافعی امام ہمیشہ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتا ہے، تو اس وقت حنفی مقتدی ہاتھ چھوڑ کے کھڑے رہیں یا باندھے؟ کون سی صورت افضل ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک ہاتھ باندھے رکھنا افضل ہے۔(۲) **و اللّٰه تعالیٰ أعلم و علمه أتم و أحكم**

(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳) ☆

---

(۱) عن ابن عباس أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إنا معشر الأنبياء أمرنا أن نؤخر سحورنا ونعجل فطرتنا وأن نمسك أيماننا على شمائلنا في صلاتنا. (صحيح ابن حبان، ذكر الأخبار عما يستحب للمرء من وضع اليمين (ح: ١٧٧٠)

(۲) وعندهما في كل قيام فيه ذكر مسنون كحالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة ويرسل بين تكبيرات العيدين إذ ليس فيه ذكر مسنون. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة: ٢٨٠)

☆ **قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں:**

سوال: قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا۔

الجوابـــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ ==

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے گاؤں میں شیعہ طبقہ کے لوگ بھی رہتے ہیں اور وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور ہم لوگ مسلک حنفی کے ہیں اور وہ لوگ ہم لوگوں کو شیعہ مذہب کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث اور قرآن میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ نیت باندھ کر نماز پڑھو، نہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا۔

لہٰذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرماویں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

قرآن کریم میں صاف صاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کا حکم ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ إلخ. (۱)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی حالت قیام میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے:

"عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كا ن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه". (رواه الترمذی وابن ماجة) (۲)

"وعن سهل بن سعد رضی اللّٰه تعالٰى عنه قال: كا ن الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليُمنٰى علٰى ذراعه اليُسرٰى فی الصلٰوة". (رواه البخاری) (۳)

یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ شریف، ص: ۷۵۔۷۶، پر موجود ہیں۔ (۴) **فقط واللّٰه أعلم بالصواب**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۹۰/۶/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۵۔۵۸۶)

== **"لأنّـه قيام لـه قراروفيـه ذكـر مسنـون ولـذا قـالـوا بـوضـع اليـدين فی قنوت الوتروقومة صلٰوة التسبيح". فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

۱۹/رجب ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱)

(۱) قال اللّٰه تعالٰى: ﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورة الحشر: ۷)

"أی مهـمـا أمـركـم به فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير وإنما ينهٰى عن شر. (تفسير ابن كثير: ٤/ ٤٣١، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

(۲) سنن الترمذی، أبواب الصلاة، با ب ما جاء فی وضع اليمين علٰى الشمال فی الصلاة: ۲/ ۳۲ (ح: ۲۵۲)

سنن ابن ماجة، باب وضع اليمين علٰى الشمال فی الصلاة: ۱/ ٤٤٥ (ح: ۸۰۹) دار المعرفة، بيروت، انيس

(۳) صحيح البخاری، كتاب الأذان، باب وضع اليمنی علی اليسری: ۱/ ۱۰۲، رقم الحديث: ۷٤۰، قديمی

(۴) مشكٰوة المصابيح، باب صفة الصلاة: ۱/ ۷۵۔۷٦، قديمی) (الفصل الأول (ح: ۷۹۸) الفصل الثانی (ح: ۸۰۳) انيس

ہاتھ باندھنے کا حدیث سے ثبوت:

سوال: بارہ ائمۂ عظام میں سے کسی ایک، یا زیادہ نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہو، تو اس کا ثبوت کتبِ اہل السنۃ والجماعت اور کتبِ شیعہ سے کیا ہے؟

الجواب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بہت سی روایات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ باندھا کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے، وہ درج کی جاتی ہے۔

إن علياً قال: "من السنة وضع الكف على الكف فى الصلاة تحت السرة". (رواه ابن أبى شيبة)(۱)

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔ (۲) نیز ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رب العالمین کی بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔ ۲/۱۲/۱۳۷۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۸۱-۲۸۲)

(۱) وكذا رواه أبوداؤد، باب وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ فى الصلاة (ح: ٧٥٦): ٢/٧٠، دار الرسالة العالمية وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط: إسناده ضعيف، وكذا البيهقى فى السنن الكبرىٰ باب وضع اليدين على الصدر فى الصلاة (ح: ٢٣٤١)/ سنن الدارقطنى، باب أخذ الشمال باليمين فى الصلاة (ح: ١١٠٢)

عن إبراهيم النخعى أنه كان يضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ تحت السرة.

قال محمد: وبه نأخذ وهو قول أبى حنيفة رحمه الله. (كتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشيبانى (ح: ١٢١): ١/٣٢٢، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إنا معشر الأنبياء أمرنا أن نؤخر سحورنا ونعجل فطرتنا وأن نمسك أيماننا على شمائلنا فى صلاتنا. (صحيح ابن حبان، ذكر الأخبار عما يستحب للمرء من وضع اليمين (ح: ١٧٧٠)

☆ نماز میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے اندر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟ دلائل نقلیہ روانہ فرمائیں۔

الجواب

عن وائل بن حجر رضى الله عنه: أنه رأى النبى صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين دخل فى الصلوٰة، كبّر ثم التحف بثوبه، ثم وضع يده اليُمنىٰ على اليُسرىٰ، الحديث. (رواه مسلم) (مشكوٰة، باب صفة الصلاة: ٧٥) (الفصل الأول، رقم الحديث: ٧٩٧)/ الصحيح لمسلم، باب وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ بعد تكبيرة الإحرام تحت صدره فوق سرته ووضعهما فى السجود على الأرض حذو منكبيه (ح: ٤٠١) انيس) ==

بعد تکبیر تحریمہ ارسال نہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ قبل ثنا پڑھنے کے کسی قدر ارسال جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ نے جائز لکھا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

(ووضع)الرجل(يمينه علٰى يساره تحت سرته اٰخذاً رسغها بخنصره وإبهامه)إلخ(كما فرغ من التكبير) بلا إرسال في الأصح،إلخ. (الدر المختار)

قوله بلا إرسال هوظاهر الرواية،إلخ. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ارسال صحیح نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۴)

نماز میں ارسال یدین:

سوال: مسلک مالکی میں کیا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں، یہ کس حدیث پر عمل ہے؟

الجو ابــــــــــــ حامداً و مصليًا

حافظ ابن حجر نے فتح الباری "**باب وضع اليُمنٰى على اليُسرٰى في الصلوة: ١٨٦/٢**" میں امام مالک کی تین روایتیں نقل کی ہیں:

اول جمہور کے موافق ہے؛ یعنی وہی ترجمۃ الباب ہے، (۲) ثانی ارسال ہے، ثالث فرض اور نفل میں تفصیل ہے؛ یعنی نفل میں وضع اور فرض میں ارسال ہے؛ جیسا کہ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک: ۱/۲۱۷، میں مذکور ہے۔ (۳)

"قال عبدالبر: لم يأت عن النبي صلى الله عليه وسلم فيه خلاف،وهوقول الجمهورمن

== وعن سهل بن سعدرضى الله تعالٰى قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنٰى علٰى ذراعه اليسرٰى في الصلوٰة. (رواه البخاري)(أيضاً. ظفير) (الفصل الأول،رقم الحديث: ٧٩٨)/الصحيح للبخاري،باب وضع اليمنٰى على اليسرٰى في الصلاة (ح: ٧٣٠)انيس)

ان دونوں حدیثوں سے نماز میں ہاتھ باندھنا معلوم ہوا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۷۶)

(۱) رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤٥٤/١،ظفير(فصل إذا أراد الشروع،انيس)

(۲) باب وضع اليُمنٰى على اليُسرٰى في الصلوة: ٢/ ٢٨٥ ، قديمي

(۳) "والثاني يضع في النافلة دون الفريضة،وهورواية عنه". (أوجز المسالك شرح الموطأ،وضع اليدين: ٢١٧/١ ، مكتبة يحيوية،سهارنپور)(كتاب الصلاة،باب افتتاح الصلاة،رقم الحديث: ١٦٨،انيس)

الصحابة و التابعين،وهو الذى ذكره ما لک فى المؤطا،ولم يحک ابن المنذروغيره عن مالک، وروى ابن القاسم عن مالک الإرسال،وصارإليه أكثرأصابه،وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلةِ ومنهم من كره الإرسال،ونقل ابن حاجب أن ذالک حيث يمسک معتمدًا لقصد الراحة" آه.(فتح)(۱)

اس عبارت سے حسب تصریح ابن عبدالبر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ترجمۃ الباب کے خلاف منقول نہیں؛ لیکن سعایہ میں طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

"من حديث معاذ رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كا ن إذادخل فى الصلوة،رفع يديه حيال أذنيه،فإذاكبرأرسلهما"آه.(۲)

اور ایک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر؛ یعنی عمل نقل کیا ہے، پھران دونوں کا جواب دے کر لکھا ہے:

"ومن هٰهُنا قال بعض المحققين:إن الارسال لايثبت من طريق:لاصحيح لاضعيف،ولمولانا على القارى المكى رسالة حقق فيها ثبوت الوضع زيف الارسال"آه. (السعاية:۱۵۶/۲)(۳)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور-۱۳۹۵/۶/۵ھ-
صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ-(فتاویٰ محمودیہ:۵۸۶/۵-۵۸۷)☆

(۱) فتح البارى،كتاب الأذان،باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة:۲۸۵/۲، قديمى

(۲) السعاية،كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة:۱۵۵/۲، سهيل اكيڈمى لاهور

عن معاذ بن جبل قال:كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا كان فى صلاته رفع يديه قبالة أذنيه فإذا كبر أرسلهما ثم سكت وربما يضع يمينه على يساره،الخ.(المعجم الكبير للطبرانى،النعمان بن نعيم عن عبدالرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل (ح:۱۳۹)انيس)

(۳) السعاية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱۵۶/۲، سهيل اكيڈمى لاهور

(قوله:ثم وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ) ... والظاهر أنه وضع من غيرإرسال وهو المعتمد فى المذهب وقيل إنه يرسل ثم يضع جمعاً بين الروايتين وخراجاً عن خلاف المذهبين وعلى كل فهو حجة على من قال بكراهة الوضع أو بترک سنيته المؤكدة،الخ.(مرقاة المفاتيح،باب صفة الصلاة:۶۵۸/۲،دارالفكر بيروت.انيس)

☆　امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے:

سوال: آج سے کئی سال قبل آپ نے فرمایا تھا کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑ کے نماز نہیں پڑھی؛ بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے، تو باندھنے سے معذور تھے؛ لیکن بیت اللہ شریف میں بعضوں کو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مالکی ہیں تو پیشوا اور پیروؤں میں یہ تضاد کیوں ہے؟　(الحاج صوفی عطاء اللہ میانچول)　==

تحریمہ کے بعد ہاتھ کس وقت باندھے:

سوال: نیت باندھنے کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ دینا مکروہ ہے، یا حرام؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

خلاف سنت ہے حرام نہیں، ظاہر روایت میں تو یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہی فوراً ہاتھ باندھنا سنت ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نوادر کی ایک روایت میں ہے کہ ثنا تک چھوڑے رکھے، ثنا سے فارغ ہو کر ہاتھ باندھ لے۔

"(ووضع يمينه علىٰ يساره)...(كما فرغ من التكبير)بلا إرسال في الأصح" آه.(الدر المختار)(۱)

وهو ظاهر الرواية ، وروى عن محمد فى النوادر: أنه يرسلهما حالة الثناء، فإذا فرغ منه يضع" آه.(رد المحتار: ۵۰۸/۱)(۲)**فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳۵۷/۱/۵ھ۔

الجواب الصحیح: عبد اللطیف، صحیح سعید احمد غفرلہ، ۱۳۵۷/۱/۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۱/۵)

نیت کے بعد ہاتھ باندھنے کی ترکیب:

سوال: نماز کی نیت کر کے ہاتھ نیچے کو چھوڑ کر زیر ناف باندھے یا کانوں تک ہاتھ اٹھا کر زیر ناف باندھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھیں اور ہاتھ زیر ناف باندھیں۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۵۹/۲) ☆

==　　الجواب ــــــــــــــــــــ

امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے، اگر ہم نے کبھی پہلے ایسا لکھا ہے تو اس تحریر کی نقل بھیج دیں؛ تاکہ اس پر غور کیا جاسکے۔

وقال مالك: السنة هي الإرسال، آه. (بدائع الصنائع: ۲۰۱/۱) **(قال النفراوي على الرسالة: ويستحب كشفهما عند الإحرام كما يستحب إرسالهما بعد التكبير لكراهة القبض في المفروضة. ويكون إرسالهما برفق ولا يرفعهما إلى قدام.**(أسهل المدارك شرح إرشاد السالك، فصل في فضائل الصلاة: ۲۱۶/۱، دار الفكر بيروت. انيس)**فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۔۲/۷/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۴۶۔۲۴۷)

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۸۶/۱، سعيد

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلوة إلى إنتهائها، مطلب: في بيان المتواتر بالشاذ: ۴۸۷/۱، سعيد

(۳) (ورفع يديه إلخ ماساً بإبهاميه شحمتي أذنيه) الخ (ووضع)الرجل (يمينه علىٰ يساره تحت سرّته).(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۴۵۰/۱، ظفير) ==

نماز میں ہاتھ باندھنے کے طریقہ کی دلیل:

سوال: احناف کے یہاں نماز میں ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ ہے، کیا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟
(عبدالبصیر، مہدی پٹنم)

== ☆ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کس طرح باندھے:

سوال: تحریمہ میں ہاتھ کان سے زیر ناف آنا چاہئے یا پہلے ہاتھ لٹکا دے پھر زیر ناف لائے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہاتھ بغیر لٹکائے ہوئے ناف پر باندھنا چاہئے اور اس کے خلاف مکروہ ہے، مگر نماز ہو جاتی ہے۔((ووضع)الرجل (يمينه **علٰى يساره تحت سرّته آخذًا رسغها بخنصره وإبهامه)هو المختار...(كما فرغ من التكبير)بلا إرسال في الأصحّ.(الدر المختار: ۲/۱۸۷-۱۸۸)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۹/۳/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۳۰)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو، اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیاں کے ساتھ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مردوں کے لیے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں اور سینے پر ہاتھ باندھیں۔

قال العلاء رحمه اللّٰه تعالٰى:(ووضع)الرجل (يمينه علٰى يساره)تحت سرته آخذًا رسغها بخنصره وإبهامه)هو المختار وتضع المرأة والخُنثٰى الكف على الكف تحت ثديها.

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى:أى يحلّق الخنصر والإبهام على الرسغ ويبسط الأصابع الثلاث كما فى شرح المنية ونحوه فى البحر والنهر والمعراج والكفاية والفتح والسراج وغيرها،وقال فى البدائع:ويحلق إبهامه وخنصره وبنصره ويبسط الوسطٰى والمسبحة علٰى معصمه وتبعه فى الحلية ومثله فى شرح الشيخ إسماعيل عن المجتبٰى.

(قوله: تحت ثديها) كذا فى بعض نسخ المنية وفى بعضها علٰى صدرها،قال فى الحلية:وكان الأولٰى أن يقول علٰى صدرها كما قاله الجمّ الغفير لا علٰى ثديها وإن كان الوضع على الصدر قد يستلزم ذٰلک بأن يقع بعض ساعد كل يد على الثدى لكن هٰذا ليس هو المقصود بالإفادة.(ردالمحتار: ۱/۴۵۴)

۱۴/صفر/۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۰-۴۱)

الجواب

فقہاءِ حنفیہ نے لکھا ہے کہ ہاتھ اس طرح باندھا جائے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر ہو، انگشت شہادت اور اس سے متعلق متصل دو انگلیاں؛ یعنی کل تین انگلیاں بائیں ہاتھ کے گٹوں پر ہوں اور انگوٹھا، نیز چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹہ پر حلقہ بنالیا جائے، حنفیہ کے یہاں چوں کہ تمام حدیثوں پر عمل کرنے کا خصوصی اہتمام ہے، اسی لئے وہ کسی مسئلہ سے متعلق مختلف روایات کو جمع کرتے ہیں اور ایسی صورت اختیار کرتے ہیں، جس میں سبھوں پر عمل ہوجائے، چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ!

''دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں''۔(۱)

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دایاں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، گٹے اور کلائی پر رکھتے تھے:

"علی ظهر كفيه اليسرى والرسغ والساعد". (۲)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے:

"يأخذ شماله بيمينه". (۳)

تو پہلی روایت سے ہتھیلی کی پشت پر ہاتھ کا رکھنا معلوم ہوا، دوسری روایت سے کلائی اور گٹے پر ہاتھ رکھنا، اور تیسری روایت سے ہاتھ کا پکڑنا، احناف نے ان تینوں روایتوں پر عمل کرنے اور جمع کرنے کے لئے یہ کیفیت متعین فرمائی کہ ہتھیلی ہتھیلی کی پشت پر، تین انگلیاں گٹے اور کلائی پر ہوں اور دو انگلیوں سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کو پکڑا جائے؛ تاکہ کوئی روایت عمل سے محروم نہ رہ جائے، (۴) احادیث کی توضیح وتشریح اور اس پر عمل کرنے میں یہی احناف کا خاص منہج

---

(۱) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۷٤۰، باب وضع اليُمنىٰ على اليُسرىٰ

"عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنىٰ على ذراعه اليسرىٰ في الصلاة". (وهذا الحديث رواه مالك في الموطأ، ت: عبدالباقي، باب وضع اليدين إحداهما على الأخرىٰ في الصلاة (ح: ٤۷) انيس)

(۲) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۷۲۸، باب رفع اليدين في الصلاة (عن وائل بن حجر. انيس)

(۳) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۲٥۲، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال في الصلاة (عن هلب يزيد بن قنافة الطائي. انيس)

(۴) وصفة الوضع أن يضع باطن كفه اليمنىٰ على ظاهر كفه اليسرىٰ ويحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ. (منحة السلوك في شرح تحفة الملوك، فصل في صفة الصلاة: ۱۲۸/۱، وزارة الأوقاف قطر/ وكذا في درر الحكام شرح غرر الحكام، باب صفة الصلاة: ٦۷/۱، دار إحياء الكتب العربية. انيس)

==

ہے، جس کے پیچھے تمام سنتوں کی اتباع کا جذبہ کارفرما ہے، مگر افسوس کہ جن حضرات کی نظر سطحی ہوتی ہے، وہ ایک حدیث پر عمل کرکے باقی ساری حدیثوں کو نظر انداز کردیتے ہیں اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے آپ کو متبع سنت خیال کرتے ہیں اور جو لوگ تمام سنتوں کا احاطہ کرتے ہیں، ان کو تارک سنت کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ **وإلى الله المشتكىٰ**. (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۰-۱۷۱)

امام کا قرأت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں؛ حالانکہ قرأت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ذکر مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے، لہٰذا دوران قرأت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلاف سنت ہے، امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے، سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

"ويسن وضع الرجل يده اليمنىٰ على اليسرىٰ تحت سرته لحديث على رضى الله عنه: "إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة". (إمداد الفتاح: ۲۸۲، بيروت)(۱)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القيام عند أبى حنيفة حتىٰ لايرسل حالة الثناء والأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه وما لا فلا، هو الصحيح، فيعتمد فى حالة القنوت وصلاة الجنازة ويرسل فى القومة وبين تكبيرات الأعياد. (الهداية: ۱/۱۰۲، باب صفة الصلاة)(۲)

== وأما صفة الوضع ففى الحديث المرفوع لفظ الأخذ وفى حديث على رضى الله عنه لفظ الوضع واستحسن كثير من مشائخنا الجمع بينهما بأن يضع باطن كفه اليمنىٰ على ظاهر كفه اليسرىٰ ويحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ ليكون عاملاً بالحديثين. (المبسوط للسرخسى، كيفية الدخول فى الصلاة: ۱/۲٤، دار المعرفة بيروت. انيس)

... العمل بالحديثين أولىٰ من نسخ أحدهما. (بدائع الصنائع، فصل كيفية فرضية صلاة الجمعة: ۱/۲٥۷، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۱) رواه أحمد، مسند على بن أبى طالب (ح: ۸۷٥) بلفظ: "إن من السنة فى الصلاة وضع الأكف على الأكف تحت السرة." وكذا الدارقطنى، باب أخذ الشمال باليمين فى الصلاة (ح: ۱۱۰۲) والبيهقى فى السنن الكبرىٰ، باب وضع اليمين على الشمال فى الصلاة (ح: ۲۳٤۱) انيس)

(۲) ثم قال فى ظاهر المذهب الاعتماد سنة القيام وروى عن محمد رحمه الله أنه سنة القراءة. (المبسوط للسرخسى، باب كيفية الدخول فى الصلاة: ۱/۲٤، انيس)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد أنه سنة القراء ة...والصحيح ماقاله شمس الأئمة الحلواني وهو الذي أشار إليه في الكتاب أن كل قيام،الخ. (شرح العناية على هامش فتح القدير: ۲۸۷/۱،باب صفة الصلاة. دار الفكر)

نیز ملاحظہ ہو:البحر الرائق: ۳۰۸/۱،کوئٹة وكذا في ردالمحتار: ۴۸۷/۱،سعيد) **والله سبحانه تعالىٰ أعلم**

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۲۵۹-۲۶۰)

درج ذیل امور مسنون ہیں:

تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے مرد کا دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔عورتوں کا دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ اور اپنی حالت پر کھلی رکھنا۔تکبیر کہتے وقت سر نہ جھکائے بلکہ سیدھا کھڑا ہو۔امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا۔امام کا تکبیر تحریمہ اور ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کی تکبیریں ضرورت کے مطابق بلند آواز سے کہنا۔مرد کا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے باندھنا۔عورت اپنے ہاتھ کو سینہ پر رکھے ایک ہاتھ کو دوسرے سے نہ پکڑے۔ثناء آہستہ سے پڑھنا۔قراءت کے لئے **اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم** آہستہ کہنا۔**بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ پڑھنا۔سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد امام،مقتدی اور تنہا پڑھنے والے سب کو آہستہ سے آمین کہنا۔کھڑے ہونے کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیاں چار انگلیوں کے برابر جگہ ہونا۔سورہ فاتحہ کے بعد فجر اور ظہر میں طوال مفصل سے اور عصر وعشا میں اوساط مفصل سے اور مغرب میں قصار مفصل سے قراءت کرنا۔امام کا فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرنا۔رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہنا۔رکوع کی تسبیح **سبحان ربی العظیم** (میں اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کرتا ہوں) تین مرتبہ کہنا۔رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا۔رکوع میں گھٹنے پکڑنے کی حالت میں انگلیاں ایک دوسرے سے الگ رکھنا۔پنڈلیاں بالکل سیدھی رکھنا،کمان کی طرح جھکانا مکروہ تنزیہی ہے۔سر،پیٹھ،اور کمر کا بالکل برابر ہونا۔کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھنا۔پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا۔رکوع سے سر اٹھانا۔قومہ میں امام کا **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کہنا اور مقتدی کا **ربنا لک الحمد** کہنا اور اکیلے پڑھنے والے کا دونوں کہنا۔سجدہ کی تکبیر۔سجدہ میں اس طرح جانا کہ پہلے گھٹنے پر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی سجدہ کی جگہ رکھے۔دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا۔ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا۔مرد کا پیٹ کو رانوں سے اور کہنیاں پہلوؤں سے اور بازو زمین سے دور رکھنا۔عورتوں کا جھکنا اور پیٹ رانوں سے چپکائے رکھنا۔سجدہ میں تین مرتبہ تسبیح **سبحان ربی الأعلیٰ** کہنا۔(مراقی) سجدہ سے اٹھنے میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھانا۔سجدہ سے پورے طور پر سر اٹھانا۔دونوں سجدے کے درمیان اور تحیات پڑھنے کے لئے بیٹھنے کی حالت میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا اس طرح کہ ہاتھ گھٹنے نہ پکڑے۔مرد کا بایاں پاؤں بچھانا اور دایاں کھڑا رکھنا۔دائیں پاؤں کی انگلیوں کا اندرونی حصہ حتی الامکان قبلہ رخ رکھنا جو انگلی اس طرح نہ رہ سکے اس میں حرج نہیں ہے۔عورتوں کا اس طرح بیٹھنا کہ چوتڑ پر بیٹھے اور ایک ران دوسری پر رکھے اور دائیں چوتڑ کے نیچے سے باہر نکالے۔تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا۔تحیات (تشہد) آہستہ سے پڑھنا۔فرض نماز کی تیسری،چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔نماز کے اخیر میں بیٹھنے کی حالت میں درود پڑھنا۔درود کے بعد دعا کرنا۔دائیں اور بائیں،پھر کر سلام کرنا۔امام اس نیت سے سلام کرے کہ میں مردوں، عورتوں،بچوں،خنثیٰ محافظ فرشتوں اور نیک جنوں میں سے مقتدیوں کو سلام کرتا ہوں۔تنہا نماز پڑھنے والا اس نیت سے سلام کرے کہ جو فرشتے اور جن ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہیں ان سب کو سلام کرتا ہوں۔امام پہلے سلام پست آواز میں دوسرا سلام کرے۔مقتدی امام کے سلام کرنے کے ساتھ سلام کرے۔پہلے دائیں جانب سلام کرے۔مسبوق (جس کی کچھ نماز چھوٹ جائے) امام کے دونوں سلام سے فارغ ہونے کا انتظار کرے۔(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۴۱-۲۵۹) (انیس)

سنن نماز
ثنا،تعوذ،تسمیہ،آمین اور قرأت

ثنا کی حیثیت:

سوال: ثناہرنماز میں ایک حیثیت رکھتی ہے یا سنت ونفل میں دوسری اورفرض نماز میں کوئی اور؟

الجو اب ـــــــــــــ حامداً و مصليًا

فرض،سنت،وتر،نفل،غرض ہرنماز میں پہلی رکعت میں ثناء پڑھی جائے گی،سب میں حیثیت ایک ہی ہے:

''وثنى كل مصل إلخ''.(نورالإیضاح)(۱)**فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی أعلم**

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند-۱۶/۷/۱۳۹۵ھ-(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۸۹)

ثناوغیرہ کاحکم:

سوال: ثنا کا پڑھنا،تکبیر کا جواب دینااورنیت کرنا کیسا ہے؟مکبر کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کے جواب میں مقتدی مشغول ہوتا ہے،تکبیرختم ہونے پرفوراًامام صاحب تکبیرتحریمہ کہہ دیتے ہیں تو مقتدی ثنا،تکبیر کا جواب اورنیت کس وقت کرے؟

الجواب ـــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

ثنا پڑھنا مسنون ہے اورتکبیر کا جواب دینا مستحب ہے-(۲)نیت نماز کے لئے شرط ہے،بغیرنیت نمازنہیں ہوگی، نیت دل کےارادہ کا نام ہے-(۳)اس میں زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے-

(۱) نورالإیضاح متن مراقي الفلاح،کتاب الصلاة،فصل في کیفیة ترکیب الصلاة:۲۸۱،قدیمی

''عن عائشة رضي اللّٰه تعالٰی عنها قالت:کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا استفتح الصلوة قال:''سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک،ولاإله غیرک''.(سنن أبي داؤد،کتاب الصلاة، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک:۱/۱۱۳،رقم الحدیث:۷۷٦،دارالحدیث،ملتان)

''وقد تقدم أنه سنة لروایة الجماعة أنه کان صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یقوله إذا افتتح الصلاة،أطلقه فأفاد أنه یأتي به کل مصل،إماماً کان أومأموماً أومنفردًا''.(البحرالرائق،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱/٥٤٠،رشیدیة)

(۲) (ویجیب الاقامة)ندباً إجماعًا.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب الأذان:۲/۷۱)

(۳) (و)الخامس(النیة)بالإجماع(وهي الإرادة)المرجحة لأحد المتساویین:أي إرادة الصلاة للّٰه تعالٰی علی الخلوص.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب شروط الصلاة:۲/۹۰-۹۱)

(وسننها)...(والثناء).(۱)

ثم الشرط لغةً: العلامة اللازمة.وشرعًا:مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هی)ستة... (و) الخامس(النية) بالإجماع.(۲)فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی-۱۴۰۹/۵/۲۱ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۳۹۴/۲-۳۹۵)

نماز میں ثنا اور درود شریف پڑھنا سنت موکدہ ہے غیر موکدہ یا واجب:

سوال: نماز میں ثنا، درود شریف، دعاوغیرہ کا پڑھنا سنت موکدہ ہے غیر موکدہ؟

الجواب

نماز میں ثناء، درود شریف اور اس کے بعد کی دعا سنن موکدہ میں سے ہیں-لما فی الدر المختار:

وسننها... الثناء والتعوذ...والصلوة على النبى صلى اللّٰه عليه و سلم والدعاء.(۳)

اور''وسننها''کے بعد صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''ترک السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل اساءةً لو عامدًا غيرمستخف،الخ.(۴)

اور یہ تعریف سنت موکدہ کی ہے،کما يظهرمن كلام الشامى.(۳۱۸/۱-۳۱۹)(۵)

اس کے علاوہ فقہاجب نماز کی سنت مطلق بولتے ہیں،تو اس سے موکدہ ہی مراد ہوتی ہے،سنن زوائد یا سنن غیر موکدہ عموماً آداب سے تعبیر کیا جاتا ہے-واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ-۱۳۹۸/۶/۲۴ھ-(فتویٰ نمبر:۲۹/۶۹۲-ب)(فتاویٰ عثمانی:۴۰۸/۱)

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة:۱۷۰/۲-۱۷۲-

(۲) الدرالمختار،باب شروط الصلاة:۷۳/۲-۹۰-

(۳-۵) الدرالمختار: ٤٧٣/١-٤٧٧،باب صفة الصلاة،طبع سعيد

وفى تبيين الحقائق: ٢٨٦/١،طبع سعيد)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس):

وسننها رفع اليدين للتحريمة ... الثناء والتعوذ ... والصلوة على النبى والدعاء يعنى بعد التشهد فى القعده الأخيرة لقوله عليه السلام:''إذا صلى أحدكم فليبدأ بالثناء على اللّٰه تعالىٰ ثم بالصلوة ثم بالدعاء.وقال الشافعى رحمه اللّٰه:''الصلوة على النبى فرض ... ولنا أنه عليه السلام علم الأعرابى فرائض الصلوة ولم يعلمه الصلوة على النبى.

وفى شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ٣٤١/١،طبع مكتبة رشيدية،كوئٹة:

وبالسنة مافعله رسول اللّٰه بطريق المواظبة ولم يتركها إلا لعذركا لثناء والتعوذوتكبيرات الركوع والسجود .

كذا فى البحرالرائق: ٣٠٣/١ .طبع سعيد

ثنا پڑھنے کا وقت:

سوال: زید امامت کے لئے کھڑا ہوا اور "قد قامت الصلوٰۃ" پرنیت باندھ لی، مقتدی اور مکبر حضرات نے بعد تمام اقامت فوراً نیت باندھی، لیکن امام کے سورۃ فاتحہ شروع کرنے کی وجہ سے ثناء نہیں پڑھ سکے، یہ زید کی عادت ہے کہ ثنا پڑھنے کی مہلت نہیں دیتا۔ بعد نماز عمر نے اعتراض کیا کہ اے زید امام! ہم تمام مقتدی مکبر کب ثنا پڑھیں؟ زید جواب دیتا ہے کہ ثنا نہ پڑھی جائے تو کوئی بات نہیں، اگر ثنا پڑھنا ہو تو "قد قامت الصلوۃ" پرفوراً میرے ہمراہ نیت باندھو اور ثنا پڑھو اور ثنا کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہے۔ عمر سوال کرتا ہے زید سے کہ مقتدیوں کو اقامت کا جواب بھی دینا ہوتا ہے، زید کہتا ہے کہ اقامت کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ عمر زید سے کہتا ہے کہ اگر ہم لوگ "قد قامت الصلوٰۃ" پرنیت باندھ لیں؛ لیکن بکر کب نیت باندھے اور کب ثناء پڑھے؟ تو زید کہتا ہے کہ زیادہ بولو نہیں، ورنہ پٹخ کر چڑھ بیٹھوں گا۔

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

"(وشروع الإمام)فی الصلاة (مذ قیل قد قامت الصلاة)ولو أخرحتی أتمها لابأس به إجماعاً، وهوقول الثانی والثلاثة،وهوأعدل المذاهب،کما فی شرح المجمع لمصنفه.وفی القهستانی معزیاً للخلاصة:أنه الأصح آه". (الدرالمختار)

"قوله:(وهو)أی التأخیر المفهوم من قوله:"أخر"قوله:(أنه الأصح)؛لأن فیه محافظةً علٰی فضیلة المؤذن وإعانةً له علی الشروع مع الإمام آه". (رد المحتار: ۳۳۲/۱)(۲)

اس عبارت معلوم ہوا کہ امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر نماز شروع کرے؛ تاکہ مکبر امام کی متابعت بروقت کرلے، امام کو جواب کا وہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے، جو سوال میں مذکور ہے، ثنا پڑھنا سنت ہے۔(۲)

(فتاویٰ محمودیہ:۵۹۰/۵)

---

(۱) الدرالمختار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۴۷۹/۱، سعید

(۲) "عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت:کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا استفتح الصلوة قال:"سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک".(سنن أبی داؤد،کتاب الصلاة، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک: ۱۱۳/۱،رقم الحدیث: ۷۷۶،دارالحدیث،ملتان)

عن إبراهیم أن ناساً من أهل البصرة أتوا عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه لم یأتوا إلا لیسألوه عن افتتاح الصلاة قال:فقام عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه فافتتح الصلاة وهم خلفه ثم جهر فقال: سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک.قال محمد:وبهذا نأخذ فی افتتاح الصلاة ولکنا لانری أن یجهر بذلک الإمام ولا من خلفه وإنماجهر عمربذلک لیعلمهم ما سألوه عنه وکذلک بلغنا عن إبراهیم وهو قول أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه.(کتاب الآثارلمحمد بن الحسن،باب افتتاح الصلاة (ح: ۷۲)،ت:أبوالوفاالأفغانی،دارالکتب العلمیة بیروت.انیس)

ثنا کب پڑھا جائے:

سوال: قرأت شروع ہونے کے بعد ثنا پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ سِری نماز میں اتنی دیر میں شریک ہوا کہ امام سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو، تو کیا ثنا پڑھ سکتا ہے؟ ثنا کن صورتوں میں پڑھنا چاہئے؟ واضح طور پر بتلائے؟

(عبدالرحمٰن، بی، ایچ ای، ایل)

الجواب

اگر امام قرأت شروع کر چکا ہو تو مقتدی کو اس وقت ثنا نہیں پڑھنی چاہئے، نماز خواہ جہری ہو یا سری، اس صورت کے علاوہ ثنا پڑھنے کی صورت اس طرح ہے:

(الف) امام تنہا نماز پڑھنے والا اور امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ سے شریک رہنے والا، قرأت سے پہلے ثنا پڑھے گا، اگر شروع میں غفلت ہوگئی اور قرأت شروع ہونے کے بعد یاد آیا تو اس وقت ثنا پڑھنا درست نہیں، اب ثنا چھوڑ دے، کیونکہ ثنا کا حکم استحبابی ہے، واجب نہیں۔

(ب) اگر نماز شروع ہونے کے بعد امام کے رکوع میں جانے کے بعد نماز میں شامل ہوا تو اگر اس کو قوی امید ہو کہ وہ ثنا پڑھ کر رکوع کو پاسکتا ہے تب تو ثنا پڑھ لے اور پھر رکوع میں جائے، اور اگر ثنا پڑھنے میں رکوع کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ثنا چھوڑ دے۔

(ج) جس شخص کی ایک یا اس سے زیادہ رکعتیں چھوٹ گئیں، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''مسبوق'' کہتے ہیں، وہ امام کی نماز پوری ہونے کے بعد جب چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرنے کے لئے اٹھے، اس وقت شروع میں ثناء پڑھ سکتا ہے۔

(د) اگر قیام کی حالت میں ثنا نہیں پڑھ سکا تو رکوع کی حالت میں ثنا پڑھنا درست نہیں، بہ خلاف عیدین کی تکبیراتِ زوائد کے، اگر قیام کی حالت میں امام کی تکبیراتِ زوائد کو نہیں پاسکا تو رکوع میں یہ تکبیرات کہی جائیں گی، کیونکہ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اور ثنا مستحب۔

یہ تمام احکام علامہ شرنبلالیؒ اور طحطاویؒ نے ذکر کئے ہیں۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۲-۱۷۳)

چھوٹی ہوئی رکعت میں ثنا:

سوال: اگر کوئی آدمی نماز میں اس وقت شریک ہوتا ہے، جب کہ جماعت کی ایک یا دو رکعت ہو چکی ہے تو جب

(۱) مراقی الفلاح مع طحطاوی:ص:٥٤-١٥٣،ط: دمشق

امام سلام پھیرتا ہے،تو مقتدی کو نماز فجر،ظہر،عصر،مغرب اور عشا کی نماز میں جب وہ نماز پوری کرنے کے لئے اکیلا کھڑا ہوتو کیا اسے "**سبحانک اللّٰھم،الخ**" سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

هو المصوب

وہ سورہ فاتحہ سے پہلے ثنا پڑھے گا۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۷)

سنتوں کی تیسری رکعت میں ثنا نہیں پڑھی جائے گی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سنت مؤکدہ کی تیسری رکعت میں "**سبحانک اللّٰھم**" سے شروع کرے گا،یا "**بسم اللّٰه**" سے؟ بینوا تو جروا۔ (المستفتی: عبدالرشید جہلم)

الجواب

بسم اللّٰه سے پڑھے گا۔(۲) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۶۰)

سری نماز میں ثنا کا حکم:

سوال: سری نماز میں مقتدی کو پہلی رکعت میں رکوع سے تھوڑی دیر پہلے آکر ملنے تک ثنا پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصليًا

ہے۔(۳) **فقط و اللّٰه سبحانه و تعالىٰ أعلم** (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۱)

ثنا اور تشہد وغیرہ کے پہلے بسم اللہ نہیں ہے:

سوال: نماز میں ثنا اور تشہد اور درود اور دعا اور دعاءِ قنوت کے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

(۱) (فيأتي به المسبوق)في ابتداء مايقضيه بعدالثناء فإنه يثني حال اقتداء ه.(مراقي الفلاح،فصل في كيفية تركيب الصلاة:۱۰۵،المكتبةالعصرية.انيس)

(۲) وفي الهندية:وإذا قام يفعل في الشفع الثاني ما فعل في الشفعل الأول من القيام و الركوع والسجود كذا في المحيط ويقرأالفاتحة فقط.هٰكذا في الكافي وتكره الزيادة علىٰ ذلك،كذا في السراج الوهاج.(الفتاوىٰ الهندية،الفصل الثاني في سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها:۱/۷٦)

(۳) "أدرك الإمام في القيام ،يثني ما لم يبدأ بالقراء ة،وقيل:في المخافتة يثنّي،ولو أدركه راكعاً أوساجداً إن أكبر رأيه أنه يدركه أتىٰ به"(.سعيد)

الجواب

بسم اللہ پڑھنا سورہ فاتحہ کے اول اور سورہ سے پہلے ہے، تشہد وغیرہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے؛ لیکن بعض روایات میں تشہد اور دعاءِ قنوت میں بسم اللہ وارد ہے، اگر پڑھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۹۹/۲)

ثناء کے آخر میں ''ک'' پر زبر ہے یا جزم:

سوال: نماز میں جو ثناء پڑھتے ہیں ثناء کے آخر میں ''ولا إلٰــه غيـركُ'' پڑھنا چاہئے یا ''غيـركُ'' پڑھا جائے؟ کتاب اور سنت کی روشنی میں مطلع فرمادیں۔

الجواب ــــــــــ حامداً و مصلیًا

ثنا کے بعد اگر ''أعوذ'' پڑھنا ہو تو ''غيركَ'' کاف کے زبر کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، اگر ''کاف'' پر سانس ختم کرنا ہو تو ''کاف'' کو ساکن کردیں، اگر ثنا کے بعد ''أعوذ'' نہ پڑھنا ہو، جیسا کہ مقتدی کا حال ہوتا ہے تو ''کاف'' کو ساکن کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۹/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۹/۱۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۹۳/۵)

نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی آیا وہ ثنا کب پڑھے:

سوال: امام نے سری نماز میں قرأت شروع کردی اس کے بعد زید نماز میں آکر ملا تو وہ اب ثناء کب پڑھے؟

(غلام رسول حاجی اسماعیل، ترکیسر ضلع سورت)

الجواب ــــــــــ حامداً و مصلیًا

اگر سورہ شروع کردی ہے تو زید ثنا نہ پڑھے، (۲) اگر فاتحہ شروع کی ہے اور امام کے سکتات اور آیات کے وقف کے پڑھ سکتا ہے تو پڑھے ورنہ نہ پڑھے۔ (۳) **فقط و اللّٰه سبحانه وتعالٰى أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ ۱۳۶۴/۳/۲۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۹۲/۵)

---

(۱) وتعوذ،إلخ،سرًّا لقراءة،إلخ (و) كما تعوذ(سمّى)غير المؤتم .(الدر المختار)

ذكر المصنف ثلاث مسائل تفريعاً علٰى قوله"لقراءة"بناءً علٰى قول أبى حنيفة ومحمد:إن التعوذ تبع للقراءة أما عند أبى يوسف فهو تبع للثناء،الخ،لكن مختار قاضى خان والهداية وشروحها و الكافى والاختيار وأكثر الكتب هو قولهما: إنه تبع للقراءة وبه نأخذ،شرح المنية.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،بعد الفصل إذا أراد الشروع: ٤٥٦/١ـ٤٥٧،ظفير)==

نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی ثنا کیسے پڑھے گا:

سوال: نماز با جماعت میں مقتدیوں کا امام کی قرأت کا سننا واجب ہے اور ثنا پڑھنا سنت ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ امام قرأت شروع کر چکا ہے، مقتدی کیا کرے، اگر مقتدی نے ثنا کا کچھ حصہ پڑھ لیا ہے اور امام نے جہر سے قرأت شروع کر دی، تو مقتدی ثنا پڑھے گا؟

هو المصوب

امام بالجہر قرأت کرے یا سراً قرأت کرے، دونوں صورتوں میں مقتدی ثنا نہیں پڑھیں گے، اگر کچھ باقی رہ گیا تو بھی نہیں پڑھیں گے، قرأت کا سننا ضروری ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۷-۸۸) ☆

==(۲) ثم اعلم أن الثناء يأتي به كل مصل،فالمقتدى يأتي به مالم يشرع الإمام في القرأة مطلقاً ،إلخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها: ۲۵۹، قديمي)

(۳) وقال بعضهم: يأتي بالثناء عندسكتات الإمام كلمة كلمة،وعن الفقيه أبي جعفر الهندواني: إذا أدرك الإمام في الفاتحة يثنى بالاتفاق". (الحلبي الكبير، صفة الصلاة: ۳۰٤، سهيل اكيڈمی، لاهور)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) (وقرأ) كما كبر (سبحانك اللّٰهم... إلا إذا) شرع الإمام في القراءة سواء (كان مسبوقًا) أو مدركًا (و) سواء كان (إمامه يجهر بالقراءة) أو لا؟ فإنه (لا يأتي به) لما في النهر عن الصغرى: أدرك الإمام في القيام يثنى مالم يبدأ بالقراءة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۸۹) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في تأليف الصلاة: ۱/٤٥٥-٤٥٦، ظفير)

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾. (سورة الأعراف: ۲۰٤)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: كانوا يتكلمون في الصلاة فأنزل اللّٰه عزوجل ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾. (أحكام القرآن للطحاوي، تأويل قوله تعالى وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ: ۱/۲٤٥، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركي، استانبول)

قال أبوبكر: روى عن ابن عباس أنه قال إن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قرأ في الصلاة وقرأ معه أصحابه فخلطوا عليه فنزل، ﴿وَاِذَا قُرِئَ﴾ الخ. (أحكام القرآن للجصاص، باب القراءة خلف الإمام: ۳/۵۲، دار الكتب العلمية. انيس)

☆ فاتحہ کے سکتات میں ثنا پڑھنا نہیں چاہئے:

سوال: ثنا فاتحہ کے سکتات میں پڑھنا افضل ہے یا سکوت بہتر ہے؟

الجواب

قراءت کے شروع ہونے کے بعد ثنا نہ پڑھنی چاہئے۔ (حوالہ سابق) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۳۹)

امام ثنا پڑھ کر قرأت شروع کردے یا مقتدی کے پڑھنے کا انتظار کرے:

سوال: امام کو ثنا پڑھ کر مقتدیوں کی ثنا پڑھنے کا انتظار کرنا چاہئے یا قرأت شروع کردے؟

الجواب

نہیں۔(انتظار نہ کرے)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۴)

ثنا سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثنا پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہواً ثنا چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصداً چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب

ثنا پڑھنا سنت ہے، منفرد اور امام ہر حال میں ثنا پڑھیں گے، اگر جہری نماز میں امام نے قرأت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثنا نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثنا پڑھے گا، مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثنا پڑھے گا، اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار ہوگا، اور سنت کا ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا افتتح الصلاۃ قال: "سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک". (رواہ الترمذی: ۵۷/۱، باب مایقول عند افتتاح الصلاۃ،فیصل)(۲)

---

(۱) (وقرأ) کما کبر ("سبحانک اللّٰھم" إلخ ، إلا إذا شرع)الإمام فی القراءۃ سواءٌ کان مسبوقاً أومدرکاً وسواءٌ کان إمامه یجھر بالقراءۃ أولا فإنه لایأتی به إلخ أدرک الإمام فی القیام یُثنی مالم یبدء بالقراءۃ .(الدرالمختار علٰی ھامش رد المحتار،باب صفة الصلٰوۃ،فصل: ۴۵۶/۱،ظفیر)

(۲) أبواب الصلاۃ،رقم الحدیث: ۲۴۳،قال الترمذی:ھذاحدیث لا نعرفه إلا من ھذا الوجه وحارثة قد تکلم من قبل حفظه.(۳۲۵/۱،دارالغرب الإسلامی بیروت)قال الألبانی:حدیث صحیح وصححه الحاکم ووافقه الذھبی.(صحیح أبی داؤد: ۳۶۳/۳،مؤسسة غراس للنشروالتوزیع الکویت)/وأیضاً رواہ ابن ماجه ،باب افتتاح الصلاۃ، رقم الحدیث: ۸۰۴، عن أبی سعیدالخدری قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یستفتح صلاته یقول: "سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک". قال الألبانی: صحیح.(تخریج الکلم الطیب: ۹۸/۱،المکتب الإسلامی بیروت.انیس)

مراقی الفلاح میں ہے:

"ویسن الثناء لما روينا لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :إذا قمتم إلىٰ الصلاة فارفعوا أيديكم ولا تخالف آذانكم ثم قولوا:سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالىٰ جدک ولا اله غيرک". (مراقى الفلاح: ٩٥،مكة المكرمة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحًا وهو أن يقول سبحانک اللّٰهم ... ويستفتح كل مصل سواء المقتدى وغيره مالم يبدأ الإمام بالقراء ة) ولو سرية على المعتمد وإن أدركه راكعًا تحرى إن أكثر رأيه أنه إن أتى به أدركه فى شيء منه أتى به وإلا لا،نهر. (حاشية الطحطاوى على المراقى: ٢٨١، قديمى كتب خانة) (١)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام)أفاد بالاستثناء أنه يأتى به الإمام والمنفرد والمقتدى قبل شروع الإمام فى القراء ة (قوله سواءٌكان امام يجهر)لما كان قضية المتن جواز الثناء فى المخافة وإن بدأ الإمام بالقراء ة وكان ذلک ضعيفًا حوَّل الشارح عبارة المصنف إلى القول الصحيح حلبى (قوله وقيل فى المخافة يثنى) وجه ضعيف هذا القيل أنه إذا امتنع علىٰ المأموم قراء ة القرآن التى هى فرض فى الصلاة عند قراء ة الإمام القرآن سراً أوجهراً فلان يمتنع عليه الثناء وهونفل أولىٰ بجامع التخليط والتغليظ فى كل،آه،حلبى. (حاشية الطحطاوى علىٰ الدرالمختار: ٢١٨/١)(٢)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

"المسبوق إذا أدرک الإمام فى القراء ة فى الركعة التى يجهر فيها لايأتى بالثناء فإذا قام إلىٰ قضاء ماسبق به يأتى بالثناء. (خلاصة الفتاوىٰ: ١٦٥/١،مسائل المسبوق،رشيدية)

درمختار میں ہے:

ترک السنة لايوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساء ة لوعامدًا غيرمستخف...وفى الشامى:قوله: (لايوجب فسادًا ولا سهوًا)أى بخلاف ترک الفرض فإنه يوجب الفساد وترک الواجب فإنه يوجب سجود السهو. قوله:(لوعامداً غيرمستخف)فلوغيرعامدٍ فلا إساءةً أيضاً ،بل تنوب إعادة الصلاة كما قدمناه فى أول بحث الواجبات ، ولومستخفا كفر، لمافى النهرعن البزازية:لولم ير السنة حقًا كفر لأنه استخفاف. (الدرالمختارمع ردالمحتار : ٤٧٤/١)(٣)والله سبحانه تعالىٰ أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۳۹/۲-۱۴۱)

(١) فصل فى كيفية تركيب أفعال الصلاة: ٢٨١-٢٨٢،دارالكتب العلميةبيروت.انيس

(٢) فروع قرأبالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل،انيس

(٣) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

بلا بسم اللہ نماز میں فاتحہ:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ بلا بسم اللہ پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوجاتی ہے اور کچھ نقص نہیں رہتا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۱)

نماز میں تعوذ اور بسم اللہ:

سوال: فرض وسنت نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تسمیہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صرف پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ، تعوذ وتسمیہ پڑھے اور بقیہ رکعتوں میں تسمیہ نہ پڑھے تو کیسا ہے؟ اور جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ (م،ع، فاروقی، محبوب نگر)

الجواب

تعوذ تو صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ہے، لیکن بسم اللہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا مسنون ہے، خواہ وہ فرض ہو یا سنت، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

"**أنه يأتي بها في كل ركعة**".(۲)

البتہ سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا جائز ہے نہ کہ مسنون، البتہ تعوذ وتسمیہ کا تعلق قرآن مجید کی قرأت سے ہے، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی تلاوت ہو وہ تسمیہ وتعوذ پڑھے گا، یعنی امام اور منفرد، مقتدی کے ذمہ چونکہ قرأت نہیں؛ اس لئے وہ تعوذ اور تسمیہ بھی نہیں پڑھے گا:

"**إن التعوذ سنة القراء ة فيأتي به كل قارئ للقرآن ... لا يأتي به المقتدى**".(۳)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۳-۱۷۴)☆

---

(۱) (وسننها) ترک السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءةً لوعامدًا،إلخ،الثناء والتعوذ والتسمية والتأمين.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار،باب صفة الصلٰوة،مطلب سنن الصلٰوة:١/ ٤٤٢ _٤٤٣،ظفير)

(۲) بدائع الصنائع: ٤٧٧/١ ، ط : ديوبند .محشی،كتاب الصلاة،فصل فی سنن الصلاة،انيس

(۳) البحر الرائق: ١ / ٣١٢ – ٣١١ .كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الدخول فی الصلاة،انيس

☆ **"أعوذ بالله" اور "بسم الله":**

سوال: نماز (میں ثناء) کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ اور رکعت کے شروع میں بھی قرأت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ ==

نماز میں تعوذ وتسمیہ پڑھنے کا حکم:

سوال (۱) نماز کے وقت خواہ دو رکعت والی نماز ہو یا چار رکعت والی نماز ہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف پہلی رکعت کے شروع میں الحمد شریف سے پہلے پڑھنا چاہئے یا ہر رکعت میں الحمد شریف کے پہلے بسم اللہ پڑھے؟

(۲) کیا ہر رکعت میں صرف الحمد للہ کے پہلے یا ہر رکعت میں الحمد للہ کے بعد سورہ ملانے سے پہلے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے؟

(۳) کیا امام ومنفرد، مسبوق اور مقتدی سبھوں کو تعوذ وتسمیہ کہنا چاہئے؟

امید ہے کہ اہل سنت والجماعت یعنی امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک کے پیش نظر مفصل اور تشریحاً کتابوں کے حوالہ کے ساتھ جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) ہر رکعت کے شروع میں الحمد پڑھنے سے پہلے بسم اللہ کہنا مسنون ہے۔(۱)

(۲) درمختار میں ہے کہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ، محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔شامی میں ہے:

”ولهٰذا صرح فی الذخيرة والمجتبیٰ بأنه إن سمّی بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أو جهرًا كان حسنًا عند أبی حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام،إلخ.(۲)

==

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصليًا

جو شخص ثنا کے بعد ”الحمد“ پڑھے گا، جیسے امام اور منفرد وہ ”أعوذ باللّٰه“ و ”بسم اللّٰه“ پڑھے گا۔ (”(و) كما استفتح (نعوذ) بلفظ أعوذ على المذهب (سرًا) ... (لقراءة) ... (و) كما تعوذ (سمی) غير المؤتم بلفظ البسملة“.(الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۴۸۹/۱، سعيد)

وفی الفتاوی الهندية: ”ثم يقول: سبحانک اللّٰهم... إماماً كان أو مقتدياً أو منفردًا... ثم يتعوذ... ثم التعوذ تبع للقراءة دون الثناء عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه ... ثم يأتی بالتسمية“.(كتاب الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها: ۷۳/۱-۷۴، رشيدية)فقط واللّٰه أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۹۵/۵)

(۱) ”(و) كما تعوذ (سمی) غير المؤتم بلفظ البسملة، لامطلق الذكر كما فی ذبيحة ووضوء (سراً فی) أول (كل ركعة) ولو جهرية“ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۱۹۱/۲-۱۹۲) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۲) رد المحتار: ۱۹۲/۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ۴۹۰/۱، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) تعوذ وتسمیہ قرأت قرآن کے تابع ہیں، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی قرأت ہے، اسی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے، امام ومنفرد اور مسبوق کے ذمہ قرأت ہے، اس لئے ان کے لئے قرأت سے پہلے تعوذ وتسمیہ کہنا سنت ہے، لیکن مقتدی کے ذمہ قرأت نہیں ہے، اس لئے اس کو تعوذ اور تسمیہ نہیں کہنا چاہئے۔

درمختار میں ہے:

"(و) کما تعوذ (سمی) غیرا لمؤتم ... (سرًا فی) أول (کل رکعة) ولو جهرية (لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقًا) ولو سرية ولا تكره اتفاقًا". (۱)

مقتدی کے سوا (امام، منفرد، مسبوق) تعوذ ہی کی طرح ہر رکعت کے شروع میں اگرچہ نماز جہری ہو آہستہ سے بسم اللہ کہے مگر فاتحہ اور سورہ کے درمیان اگرچہ سری ہو تسمیہ مسنون نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص تسمیہ کہے تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے (بلکہ مستحب ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم۔ ۱۳۸۳/۲/۳۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۹۰/۲-۳۹۱) ☆

(۱) الدر المختار: ۱۹۱/۲-۱۹۲، کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، انیس

☆ تعوذ وتسمیہ صرف امام ومنفرد پڑھے:

سوال: سورۂ فاتحہ سے قبل تعوذ اور تسمیہ کن کن رکعتوں میں پڑھنا چاہئے، اور ان کی شرعی حیثیت کیا ہے، قراءت شروع سورت سے پڑھنا شروع کریں یا کسی سورت کے درمیان سے کوئی آیات پڑھ سکتے ہیں فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ پڑھنا مسنون ہے یا نہ؟ (محمد لطف اللہ خالد، لاہور)

الجواب

ثنا سے فارغ ہونے کے بعد تعوذ وتسمیہ کا پڑھنا امام ومنفرد کے لئے سنت ہے۔ مراقی میں ہے:

"(و) یسن ... (التعوذ للقراءة) فيأتي به المسبوق كالإمام والمنفرد لا المقتدی. (ص: ۱۴۱) (کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننها: ۹۷، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

(و) تسن (التسمية أول كل ركعة) قبل الفاتحة؛ لأنه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلاته ببسم الله الرحمٰن الرحيم، الخ. (ص: ۱۴۱) (کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننها، انیس)

دونوں صورتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملانے سے قبل تسمیہ نہ سنت ہے اور نہ ہی پڑھنا مکروہ ہے۔

"ولا تسن (التسمية) بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولو سرية، ولا تكره اتفاقاً". (الدر المختار: ۳۲۹/۱) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انیس) فقط والله أعلم

بندہ محمد عبد اللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۴۰۶/۷/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۷۷/۲)

فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'':

سوال: کیا جب بھی سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اس سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا ضروری ہے؟

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

نماز میں جب بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے،اس سے پہلے ''بسم اللّٰه'' پڑھنا سنت ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔۱۳۹۰/۲/۲۳ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵۹۳/۵)☆

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنے کی دلیل:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھا جائے یا نہیں؟ کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ سے قرأت کی ابتدا کرتے تھے؟(۲)　　(محمد ارشد، وجے واڑہ)

(۱) كما تعوذ(سمى)... (سرًّا فى)أول(كل ركعة)ولوجهرية''.(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)

''وذكرفى المحيط:المختارقول محمد،وهوأن يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة''.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۰/۱،سعيد)(مطلب:فى بيان المتواتربالشاذ)

''(وقوله:فى كل ركعة):... أى فى ابتداء كل ركعة فلا تسن التسمية بين الفاتحةوالسورة مطلقاً عندهما،وقال محمد:تسن إذاخافت،لاإن جهر''.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۴۴/۱،شيدية)

''و(قوله:وسمى سرًا)حال من الضميرفى سمى مسارًا فى ابتداء كل ركعة سريةً كا نت أوجهرية''.(النهر الفائق، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۲۱۰/۱،مداديه ملتان)

☆ **ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ:**

سوال: ایک شخص کا کہنا ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھے، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے، جو پڑھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

یہ بات صحیح نہیں، بلکہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت نہیں۔

''(سمى)... (سرًا فى)أول(كل ركعة)''. یعنی ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے۔(الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۵۷/۱)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۸۹/۱)

(۲) عن أنس أن النبى صلى الله عليه وسلم وأبابكروعمركانوا يستفتحون بالحمدلله رب العالمين.(مسندأبى يعلى الموصلى،قتادة عن أنس (ح: ۲۹۸۱)/مستخرج أبى عوانة: ۴۴۸/۱ (ح: ۱۶۵۷)دارالمعرفة بيروت.انيس)

الجواب

اس حدیث میں قرأت سے مراد زور سے قرآن مجید پڑھنا ہے، یعنی بآواز بلند قرأت کی ابتداءِ سورہ فاتحہ سے ہوگی، رہ گیا بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا تو یہ حدیث سے ثابت ہے،(۱) چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے:

"كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يخفي بسم اللّٰه الرحمن الرحيم". (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۰)

ترک تسمیہ سے سجدہ سہو یا اعادہ صلاۃ لازم نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا واجب؟

(۲) اور نہ پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

(۳) نہ پڑھنے سے نماز درست ہوگی یا واجب الاعادہ؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عالم خان لنڈ یواہ لکی مروت......۲۲/محرم/۱۴۰۱ھ)

الجواب

ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے، ترک سنت سے قضا اور اعادہ لازم نہیں ہوتا۔(۳)

لما في شرح التنوير: (و) ... (سمى) غير المؤتم بلفظ البسملة (سرًا في) أول (كل ركعة) و لو جهرية. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱/۴۵۷)(۴) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۶۱)☆

(۱) خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے نہیں پڑھتے تھے۔
صليت خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان فلم أسمع أحداً يجهر بـ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم. (صحيح موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان للألباني (رقم الحديث: ۳۸۱): ۱/۲۳۳، دار الصميعي الرياض. انيس)

(۲) جامع المسانيد: ۱/۳۴۷- نیز دیکھئے: صحيح ابن خزيمة: ۱/۲۵۰، حدیث نمبر:۴۹۶- محشی
(عن عبد اللّٰه أنه كان يخفي بسم اللّٰه الرحمن الرحيم والاستعاذة وربنا لك الحمد. (مصنف ابن أبي شيبة، ما يستحب أن يخفيه الإمام (ح:۴۱۳۷-و-۸۸۵۳) انيس)

(۳) قال الحصكفي: (وسننها) ترك السنة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساءة لو عامدًا غير مستخف.
قال ابن عابدين: أي بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب في سنن الصلاة: ۱/۴۵۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، قبيل مطلب لفظة الفتوىٰ آكد من لفظة المختار: ۱/۳۶۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس

==

مسائل متعلقہ آمین:

سوال: نماز میں بعد سورہ فاتحہ کے لفظ آمین کہنا سنت موکدہ ہے یا مستحب؟

الجواب

سنت مؤکدہ ہے۔

کما في الدر المختار: وسننها (إلٰى قوله) ثم هي علٰى ماذكره ثلاثة وعشرون (إلٰى قوله) والتسمية والتأمين وكونهن سرًا.(۱)

۲۹ رصفر ۱۳۵۰ھ۔(امداد المفتین:۲۷۶/۲)

== ☆ **بسم اللہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ کرنا لازم نہیں:**

سوال: نماز کی ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ اور اگر کسی سے پڑھنا رہ جائے تو کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں، اور اگر کوئی قصداً وعمداً پڑھنا ترک کردے تو کیا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب

ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا ایک مسنون عمل ہے اور مسنون عمل کے ترک کرنے سے نہ فساد لازم آتا ہے اور نہ قضا اعادہ، اس لئے اگر کسی سے بسم اللہ سہواً یا عمداً نماز میں چھوٹ جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں تاہم قصداً وعمداً ترک کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصكفي:(و)(سمى)غير الموتم بلفظ البسملة،سراً في أول(كل ركعة)ولو جهرية.(الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۳۶۳/۱)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)

وقال أيضًا(وسننها)ترك السنة لايوجب فساداً ولاسهوًابل إساءةً لوعامدًاغيرمستخف وقالوا:الإساءة أدون من الكراهة (الدر المختار على هامش ردالمحتار،مطلب سنن الصلوة: ۳۵/۱)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس) (فتاویٰ حقانیہ:۹۱/۳)

(۱) **الدر المختار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب سنن الصلاة:۱۷۰/۲-۱۷۲.انيس**

☆ **سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنے کا حکم:**

سوال: سورۂ فاتحہ کے بعد یا دوسرے سے سننے کے بعد نماز کے اندر یا باہر یا دونوں جگہ آمین کہنا کیسا ہے؟ یعنی سنت ہے یا کچھ اور؟

الجواب وبالله التوفيق

نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا خواہ امام ومنفرد ہونے کی حیثیت سے خود پڑھے یا مقتدی ہونے کی حیثیت سے امام سے سنے، بہر دوصورت مسنون ہے۔

وإذا قال الإمام ولاالضالين قال: آمين،ويقولها المؤتم،لقوله عليه الصلاة والسلام:"إذا أمّن الامام فأمّنوا".(الهداية: ۱۰۵/۱)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة)والحديث أخرجه مالك في الموطأ، ==

آمین کوئی اسم ہے یا دعا:

سوال: لفظ آمین کوئی اسم ہے یا دعا؟

الجواب

لفظ آمین دعا ہے۔ معنی یہ ہیں: ''یا اللہ میری دعا قبول فرما''، **کذا فی کتب اللغة**. (۱)(امداد المفتین:۲/۲۷۶)

آمین بالجہر افضل ہے یا بالاخفا:

سوال: آمین جہریہ میں بالجہر افضل ہے یا بالاخفاء؟

الجواب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالاخفاء ہونا اولیٰ وافضل ہے۔

لقوله تعالیٰ: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً﴾(الأعراف:٥٥)ولكون آمين دعاء، كمامر. (۲)

۲۹/صفر ۱۳۵۰ھ۔(امداد المفتین:۲/۲۷۶)

== **بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،باب: آمین فی الصلاة (ح:١٣٥)المکتبة العلمیة،انیس)**

البتہ نماز کے باہر سورۂ فاتحہ پڑھنے یا سننے کے بعد آمین کہنا مستحب ہے۔

"ويستحب لمن قرأ الفاتحة أن يقول بعدها آمين،مثل يٰس... قال أصحابنا وغيرهم:يستحب ذلك لمن هو خارج الصلاة،ويتأكد في حق المصلي".(تفسير ابن كثير: ١/ ٣١)(سورة الفاتحة :٧،ذكر أقوال السلف في الحمد،فصل،انيس) فقط والله تعالىٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔۴/۴/۱۴۱۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۰۶-۴۰۷)

امام کے لئے تأمین مسنون ہے:

سوال: امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔

قال في التنوير: وأمن الإمام سرًا كمامر ومنفرد.

وفي الشامية:هو سنة للحديث الآتي المتفق عليه،كما في شرح المنية وغيره.(رد المحتار: ١/ ٤٥٩)فقط والله تعالىٰ أعلم

۳۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۳۱۲)

(۱-۲) **وقيل:هو أمين بقصر الألف فدخلت عليها ألف النداء كأنه قال:يا الله استجب دعاء نا .(مشارق الأنوار على صحاح الآثار،أ م ن: ١/ ٣٨،المكتبة العتيقة ودار التراث/وكذا في الزاهر في غريب ألفاظ الشافعي،باب صفة الصلاة: ١/ ٦٧،دار الطلائع.انيس)**

غیر مقلد جب حنفی امام کی اقتدا کرے تو آمین کس طرح افضل ہے:

سوال: غیر مقلد جب اقتدا امام حنفی کی کرے تو اس کو آمین بالاخفا افضل ہے یا بالجہر؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک تو مطلقاً اخفا آمین سنت ہے۔خصوصاً جب امام حنفی کی اقتدا کرے تو آمین کو بالاخفا کہنا اور بھی اہم ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ جہراً کہنے میں عوام کو توحش ہوگا اور عجب نہیں کہ کہیں فتنہ اختلاف نہ کھڑا ہوجائے۔(امداد المفتین:۲۷۶/۲)

اگر آمین اس طرح کہے کہ ایک دو آدمی سن لیں،تو یہ کیسا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں آمین ایسے طور پر کہے کہ ایک دو آدمی قریب کے سن لیں تو عندالاحناف نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ آمین آہستہ کہنا سنت ہے؛ لیکن اگر دو آدمی برابر کے سن لیں تو وہ جہر نہیں،وہ بھی آہستہ میں داخل ہے۔

كما قال في الدر المختار: وأدنى (المخافتة إسماع نفسه) ومن بقربه،فلو سمع رجل أو رجلان فليس بجهر،إلخ. (۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۲/۲)

آخر سورہ میں آمین اور دوسرے کلمات، جماعت کی نماز میں نہ کہی جائیں:

سوال: علاوہ آخر سورۂ فاتحہ میں آمین بصورت خفی کہنے کے،سورۂ بقرہ کے آخر میں آمین، بنی اسرائیل کے آخر میں تکبیر،سورۂ ملک کے آخر میں **اللّٰهم ربنا ورب العالمين**،سورۂ قیامۃ ومرسلات والتین کے آخر میں کلمات مشہورہ مسنونہ،سورۃ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر،بعض آیات کے آخر میں کچھ الفاظ بطریق مسنون اثنائے تلاوت میں کہے جاتے ہیں۔جیسے سورۂ طٰہٰ میں ''**وقل رب زدني علماً**'' کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم ''**اللّٰهم زدني علماً وإيماناً ويقيناً**''فرمایا کرتے تھے،وغیرہ وغیرہ۔پس نماز ہائے فریضہ ونافلہ میں امام ومنفرد یہ کلمات عندالاحناف آہستہ مثل آمین سورۂ فاتحہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ یہ اذکار نوافل میں منفرداً یا خارج عن الصلوٰۃ پر محمول ہیں۔فرائض وجماعت نفل میں درست نہیں ہے۔

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل في القراءة: ۴۹۸/۱،ظفير

عن وائل أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما قرأ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ قال: آمين،خفض بها صوته ووضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ وسلم على يمينه وعن يساره.(مسند أبي داؤد الطيالسي، حديث وائل بن حجر (ح:۱۱۱۷)/المعجم الكبير للطبراني،عن علقمة بن وائل (ح:۳)انيس)

کذافی شرح المنیة: لابأس للمتطوع المنفرد أن یتعوذ باللّٰہ من النار، إلخ، وإن کان المصلی المنفرد فی الفرض کرہ لہ ذلک، إلخ، وأما الإمام والمقتدی فلایفعل ذالک السوال والتعوذ لا فی الفرض ولافی النفل، إلخ. (شرح منیة کبیری) (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۵)

''بسم اللہ'' فاتحہ اور سورہ سے پہلے:

سوال: امام پر ہر رکعت میں ضم بسم اللہ الحمد اور سورہ کے ساتھ واجب ہے یا نہ اور امام و منفرد کے لئے مستحب صورت عند الحنفیہ کیا ہے؟

الجواب

''وذکر فی المحیط: المختار قول محمد رحمہ اللّٰہ وھو أن یسمی قبل الفاتحة وقبل کل سورة فی کل رکعة.

وفی الدر المختار: (و) کما تعوذ (سمّٰی، إلخ) (سرًا فی) أول (کل رکعة، إلخ، (لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقاً) ولو سریةً، ولاتکرہ اتفاقاً.

قال فی الشامی: ولہٰذا صرح فی الذخیرة و المجتبیٰ بأنہ إن سمّٰی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرًّا أوجھرًا کان حسنًا عند أبی حنیفة رحمہ اللّٰہ ورجحہ المحقق ابن الھمام، الخ. (۳)

ان سب عبارات سے واضح ہوا کہ امام کو الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اور بعض وجوب کے قائل ہیں اور سورت سے پہلے اگرچہ مسنون نہیں ہے؛ لیکن مکروہ بھی نہیں ہے، بلکہ مستحب اور بہتر ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۸۳-۱۸۴) ☆

---

(۱) اس کتاب کا نام ''غنیۃ المستملی'' ہے، کبیری اور شرح منیہ کے نام سے علما میں مشہور ہے۔ ظفیر

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب قراءة البسملة: ۱/۴۵۷-۴۵۸، ظفیر

قال أبوجعفر رحمہ اللّٰہ: وروی المعلی عن أبی یوسف عن أبی حنیفة رحمھم اللّٰہ أنہ یأتی بھا فی کل رکعة وھو قول أبی یوسف، وذکر الفقیہ أبوجعفر عن أبی حنیفة: أنہ إذا قرأ مع کل سورة فحسن، وروی أبن أبی رملة عن محمد: أنی یأتی بالتسمیة عند افتتاح کل رکعة وعند افتتاح السورة أیضاً، إلا أنہ إذا کان صلاة یجھر فیھا بالسورة لا یأتی بالتسمیة بین الفاتحة والسورة وعند الشافعی یأتی بالتسمیة فی کل رکعة ویأتی بھا أیضا فی رأس السورة سواء کان صلاة یجھر فیھا بالقراءة أو یخافت، وذکر أبو علی الدقاق: أنہ یقرأ قبل فاتحة الکتاب فی کل رکعة، قال: وھو قول أصحابنا ورواية أبی یوسف عن أبی حنیفة وقول أبی یوسف أحوط، لأن العلماء اختلفوا فی التسمیة أنھا ھل ھی من الفاتحة أم لا ؟ و علیہ إعادة الصلاة فی کل رکعة فکان علیہ إعادة التسمیة فی کل رکعة لتکون أبعد عن الاختلاف. (المحیط البرھانی، کتاب الصلاة، الفصل السادس عشر: ۱/۳۵۹، دار الفکر بیروت، لبنان) ==

== (وعنه)وهي رواية أن أبي يوسف (أنه يأتي بها وهو قولهما)وجهها اختلاف العلماء واختلاف الآثار في كونها من الفاتحة وعليه إعادة الفاتحة فعليه إعادتها ومقتضى هذا سنيتها مع السورة لثبوت الخلاف في كونها من كل سورة كما في الفاتحة ،الخ،وجوب السورة كالفاتحة.(فتح القدير،باب صفة الصلاة:۲۹۳/۱،دارالفكر.انيس)

سورت سے پہلے بسم اللہ ملانا کیسا ہے:

سوال: نماز میں الحمد شریف کے بعد سورۃ ملانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر سورۃ ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

الحمد شریف کے بعد سورۃ سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا جائز، بلکہ بہتر ہے۔(ولاتسن (أي التسمية)(بين الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسرية،ولا تكره اتفاقاً،وما صحّحه الزاهدي من وجوبها ضعّفه في البحر (الدر المختار)

و قال محمدرحمه الله:تسن إن خافت،لاإن جهر،إلخ،وذكرفي المصفّى:أن الفتوىٰ علىٰ قول أبي يوسف رحمه الله أنه يسمّي في أول كل ركعة و يخفيها،وذكر في المحيط:المختارقول محمد،وهوأن يسمي قبل الفاتحة وقبل كل سورة في كل ركعة ، الخ ، (قوله و لاتكره،الخ) ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّا أوجهرًا كان حسناً عند أبي حنيفة رحمه الله ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي.(رد المحتار، باب صفة الصلاة،قبيل مطلب قراء ة البسملة:۴۵۷/۱-۴۵۸،ظفير))(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۱/۲-۱۶۲)

سورۃ کے پہلے بسم اللہ:

سوال: اگر دورکوع والی سورۃ پڑھے تو شروع سورۃ پر بسم اللہ کہے اور دوسری رکعت میں جب اسی سورۃ کا دوسرا رکوع پڑھے تو بسم اللہ کہے یا نہیں؟

الجواب

دوسرے رکوع پر بسم اللہ نہ پڑھے۔(... ودل كلامه أنه لايسمي بين الفاتحة والسورة وهو قولهما وقال محمد:ليس في السرية وجعله في الخلاصة ، ورواية الثاني عن الإمام وفي المستصفى:وعليه الفتوىٰ،وفي البدائع:الصحيح قولهما،وفي العتابية والمحيط: قول محمدهوالمختار،ونقل ابن الضياء في شرح الغزنوية عن عمدة المصلي إنمااختيرقول أبي يوسف هذا لأن لفظة الفتوىٰ آكد وأبلغ من لفظة المختار ولاخلاف أنه لوسمى كان حسناًوكونها في أول كل ركعةهو الأصح كما في السراج،الخ.(النهرالفائق شرح كنزالدقائق،فصل وإذا أرادالدخول في الصلاة،الخ:۲۱۰/۱-۲۱۱، دارالكتب العلمية)

وكذا روى الجصاص عن محمد أنه قال:التسمية من القرآن أنزلت للفصل بين السور البداية منها تبركا وليست بآية من كل واحدة منها،الخ.(العناية شرح الهداية،البسملة في الصلاة: ۱۹۲/۲،دارالكتب العلمية.انيس))(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۸/۲)

فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ۵/جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ کونقیب میں اسلامی مسائل کے عنوان سے جوفتویٰ شائع ہوا ہے، اس میں سے ایک مسئلہ ہے کہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے، عام کتب فقہ اور فقہاءِ احناف کے قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے، ذیل میں بعض حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عالمگیری میں ہے:

"ولایسمی بین الفاتحة والسورة هٰكذا فی الوقاية والنقاية وهوالصحيح هٰكذا فی البدائع و الجوهرة النيرة". (الفتاویٰ الهندية،باب صفة الصلاة: ۷٤/۱)

۲۔ اورخلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

"لايأتی الإمام بالتسمية بين الفاتحة والسورة". (۵۳/۱)

۳۔ شرح النقایہ جلد اول میں ہے:

"ولايسمی بين الفاتحة والسورة".

۴۔ "وتُسنّ التسمية في أول كل ركعة قبل الفاتحة". (مراقی الفلاح علی الطحطاوی: ۱٤۱)

۵۔ حنفیہ کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے:

"ولا يسمّی بين الفاتحة والسورة". (باب صفة الصلاة: ۱٤۵/۱)

۶۔ غنية المستملی میں ہے:

"وأما الموضع الثالث ففی رواية عن أبی حنيفة أن محلها أول الصلاة والصحيح أن محلها أول كل ركعة...عند أصحابنا جميعًا لاخلاف فيه". (الكبيری شرح منية المصلی: ۳۰۷)

اس بحث سے متعلق آگے ص: ۳۰۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

"(وأما التسمية عند ابتداء السورة) بعد الفاتحة (فإنه عند أبی حنيفة لا يأتی بها)لا فی حالة الجهرولا فی حالة المخافتة وكذا عند أبی يوسف لما تقدم أنها ليست بآية من أول السورة والاتيان بها فی أول كل ركعة لما تقدم من الآحاديث الدالة علیٰ أنه عليه السلام كان يأتی بها سرًاوكذا الخلفاء الراشدون". (الكبيری شرح منية المصلی)

فقہ حنفی کی مشہور کتاب مبسوط میں ہے:

"(وروی) المعلّٰی عن أبی يوسف عن أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه يؤتیٰ بها فی أول كل ركعة وهوقول أبی يوسف رحمه اللّٰه وهوأقرب إلی الاحتياط لاختلاف العلماء والآثارفی كونها آية من الفاتحة (وروی)ابن أبی رجاء عن محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال إذا كان يخفی القراء ة

یـأتـی بالتسمیة بین السورة والفاتحة لأنه أقرب إلٰی متابعة المصحف وإذا کان یجهر لا یأتی بها بیـن السـورة والفاتحة لأنه لوفعل لاخفی بها فیکون ذلک سکتة له فی وسط القراء ة ولم ینقل ذلک ماثورًا". (مبسوط للسرخسی: ۱/۱٦)

علامہ شامیؒ کی عبارت جس سے تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ پر استدلال کیا گیا ہے، مختصر ہے، پوری عبارت اس طرح ہے۔ درمختار میں ہے:

"(لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقًا).

اس کی شرح علامہ شامیؒ اس طرح کرتے ہیں:

(قـولـه لا تسـن) مـقتـضـی کـلام الـمتـن أن یـقال لا یسمّی ، لکنه عدل عنه لإیهامه الکراهة بـخـلاف نـفـی السنیة،ثم انّ هذا قولهماوصححه فی البدائع،وقال محمد:تسن إن خافت،لا إن جهر، بحر ...وذکـرفـی الـمصفی:أن الفتوی علٰی قول أبی یوسف أنه یسمی فی أول کل رکعة ...وفی روایة حسن ابن زیاد أنه یسمی فی الرکعة الأولٰی لاغیر،وإنما أختیرقول أبی یوسف لأن لفظة الفتویٰ آکد وأبلغ من لفظة المختار،ولأن قول أبی یوسف وسط وخیرالأمورأوسطها،کذا فی شرح عمدة المصلّی"، آه.(رد المحتار،مطلب لفظة الفتویٰ آکد،إلخ: ۲/۱۹۲)

فقہا کی ان تصریحات کے بعد بسم اللہ پڑھنے کو الحمد وسورہ کے درمیان مستحب کہنا سمجھ میں نہیں آتا "ورجـحـه الـمـحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة" اس کا جواب کبیری میں دیا ہے، اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

"واعتـرض الشیـخ کـمـال الـدیـن بن الهمام بأن مقتضی هذا أن یؤتٰی بها مع السورة لثبوت الخلاف فی کونها من کل سورة کما فی الفاتحة ".

اعتراض نقل کرکے خود اس کا جواب بھی دیتے ہیں:

"والـجـواب أن الخلاف فی أنهاآیة من السورة لیس فی القوة کالخلاف فی أنهاآیة من الفاتحة علٰی مامرفلا یؤثّرفی ثبوت الاحتیاط کتأثیره". (کبیری:۳۰۷)

اب آخر میں افتا کے بعض اصولی قاعدہ کے پیش نظر امام محمدؒ اور شیخینؒ کے اس اختلافی مسئلہ کو دیکھیں اور فیصلہ کریں۔

قـال فـی الفتاوٰی السراجیة:ثم الفتویٰ علی الاطلاق علٰی قول أبی حنیفة ثم قول أبی یوسف ثم قول محمد ثم قول زفروالحسن ابن زیاد.(رسم المفتی:۱۹)

اورص:۲۰ پر لکھتے ہیں: ولـذا قـال الإمـام قاضی خان وإن کانت المسئلة مختلفًا فیها بین أصحابنا فإن کان مع أبی حنیفة أحد صاحبیه یأخذ بقولهما أی بقول الإمام ومن وافقه.(رسم المفتی: ۲۰)

عقود رسم المفتی میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب **صحیح، أصح، الأظهر، الأوجه، المختار، المؤكد، يفتىٰ، عليه الفتوىٰ** میں **يفتىٰ، عليه الفتوىٰ** سب سے زیادہ صحیح قول ہے، جیسا کہ ابھی علامہ شامی کی عبارت گذر چکی کہ لفظ **فتوىٰ أكد و أبلغ** ہے لفظ مختار سے، پوری عبارت عقود رسم المفتی کی اس طرح ہے:

وحيثما وجدت قولين و قد　　صحح واحد فذلك المعتمد
بنحو ذا الفتوىٰ عليه الأشبه　　و الأظهر المختار ذا والأوجه
أو الصحيح و الأصح أكد　　منه و قيل عكسه المؤكد
كذا به يفتىٰ عليه الفتوىٰ　　و ذان من جميع تلك أقوىٰ

(رسم المفتی :۳۱-۳۲)

ان تمام مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں مجھے اس مسئلہ سے اختلاف ہے کہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ مستحب اور بہتر ہے، اس لئے ان عبارتوں اور فقہا کی تصریحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رائے عالیہ اور فیصلہ سے مستفیض فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

زیر بحث مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ عالمگیری نے "**لايسمى، إلخ**"، اسی طرح خلاصہ نے "**لايأتي الإمام بالتسمية، إلخ**"، وقایہ اور نقایہ نے "**لايسمي بين الفاتحة والسورة، إلخ**"، کبیری نے "**عند أبي حنيفة لايأتي بها**" کے الفاظ استعمال کئے ہیں، درمختار اور شامی کے الفاظ پر اگر آپ غور کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ ان تمام الفاظ مذکورہ کا اصل مفاد یہ ہے کہ شیخینؒ کے مسلک پر تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ مسنون نہیں ہے۔ پس ان تمام الفاظ کا مفاد نفی سنیت ہے، اثبات کراہت نہیں اور چونکہ الفاظ مذکورہ سابقہ میں ایہام کراہت کا تھا، اسی لئے درمختار نے اس طرز تعبیر سے عدول کر کے "**لا تسن بين الفاتحة والسورة**" کے الفاظ استعمال کئے اور شامی نے اس بات کو ان الفاظ میں واضح کردیا:

"**مقتضى كلام المتن أن يقال لا يسمّى لكنه عدل عنه لإيهامه الكراهة بخلاف نفي السنية**".

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اصل اختلاف شیخینؒ اور امام محمدؒ کے درمیان تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ کے بارے میں سنیت اور نفی سنیت کا ہے، پس شیخینؒ اس مقام پر یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں اور حضرت امام محمدؒ سری نماز میں سنیت کے قائل ہیں، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس قدر بھی دلائل شیخینؒ کی طرف سے قائم کئے گئے ہیں ان کا مقصد نفی سنیت کا اثبات ہے، نہ کہ اثبات کراہت۔ پس جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحب کا مسلک زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ تسمیہ **بين الفاتحة والسورة** سنت نہیں ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تسمیہ مکروہ بھی ہو یا حسن نہ ہو بلکہ عدم کراہت متفق علیہ ہے۔

بحر میں پڑھئے:

"والخلاف فی الاستنان أما عدم الکراهة فمتفق علیه". (البحر الرائق: ۳۳۰/۱)(۱)

رہی یہ بحث کہ تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ حسن ہے یا نہیں؟ تو ذخیرہ اور مجتبیٰ کی اس تصریح پر نگاہ رکھئے کہ ان کے خیال میں نماز سری ہو یا جہری امام صاحب کے نزدیک تسمیہ بین الفاتحہ والسورہ حسن ہوگا۔

"ولهٰذا صرّح فی الذخیرة والمجتبیٰ بأنه أن سمی بین الفاتحة والسورة کان حسنًا عند أبی حنفیة سواء کانت تلک السورة مقروءة سرًّا أو جهرًا". (البحر الرائق: ۳۳۰/۱)(۲)

تسمیہ بین الفاتحۃ والسورۃ کے حسن کو محقق ابن ہمامؒ اور ان کے شاگرد حلبیؒ نے راجح قرار دیا ہے۔خیال رکھئے سنت ہونے کو نہیں حسن ہونے کو، اور اس پر یوں استدلال کیا ہے کہ تسمیہ ہر سورہ کا جز ہے یا نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے، اگر چہ اس میں راجح قول ہمارے نزدیک عدم جزئیت کا ہے، لیکن اختلاف علما کی وجہ سے جزئیت کا شبہ ضرور پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے تسمیہ کا پڑھ لینا حسن ہوگا، اگر چہ تسمیہ کے جزءِ فاتحہ ہونے کے بارے میں جو اختلاف ہے، وہ اختلاف جزئیت سورہ سے زیادہ قوی ہے اور اسی لئے یہ شبہ جو جزئیت سورہ میں پیدا ہوا ہے، اس شبہ سے کمزور ہے، جو جزئیت فاتحہ میں ہے، اور اس اختلاف کے قوی ہونے کی وجہ سے اور نقل وروایات سے مؤید ہونے کی وجہ سے وہاں سنیت کا قول کیا گیا اور بعض مشائخ وجوب عملی کے قائل ہوئے اور یہاں بین الفاتحہ والسورہ صرف قول حسن پر اکتفا کیا گیا۔

ورجّحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة وإن کانت الشبهة فی ذلک دون الشبهة الناشئة من الاختلاف فی کونها آیة من الفاتحة. (البحرالرائق: ۳۳۰/۱)(۳)

کبیرؔی کی پوری عبارت میرے سامنے نہیں ہے؛ لیکن جو عبارت آپ نے نقل کی ہے، وہ یوں ہے:

"والجواب أن الخلاف فی أنها آیة من السورة لیس فی القوة کالخلاف فی أنها آیة من الفاتحة علٰی مامر فلایؤثّر فی ثبوت الاحتیاط کتأثیره". (۴)

آپ خود غور کرلیں، اس عبارت کا زیادہ سے زیادہ یہ مفاد ہوسکتا ہے کہ جزئیت سورہ میں جو شبہ ہے، وہ جزئیت فاتحہ کے شبہ سے کمزور ہے، اور نتیجتاً ثانی الذکر میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ حکم میں اس قوت وضعف کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے، پس محقق ابن الہمام کے جواب میں کبیری نے جو کچھ لکھا ہے، وہ تو خود محقق کی کہی ہوئی بات دہرائی گئی ہے:

(۱-۳) کتاب الصلاۃ،فصل،وإذا أراد الدخول فی الصلاۃ کبر،انیس

(۴) کتاب الصلاۃ،باب صفة الصلاۃ:۳۰۷۔

"وإن كانت الشبهة في ذلك دون الشبهة الناشئة من الاختلاف في كونها آية من الفاتحة".

اورملاعلی قاری نے شرح نقایہ میں اپنے خیالات کا اظہاران الفاظ میں کیا ہے:

أقول والأظهر أن يقرأ ها سرًّا ولو في الجهرية لأنها للفصل بين السورتين ولامانع من السكتة في وسط القراء ة كما سيأتي في قوله آمين سرًّا".

عبارت مذکورہ کے آخری جملوں سے مبسوط السرخسی کی سکتہ والی علت کا جواب بھی ہوگیا، غالبًا یہی وہ دلائل ہیں، جن کے پیش نظر مفتی عزیزالرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے:

"عبارت درمختار یہ ہے:

لا تسن بين الفاتحة،إلخ.

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداءِ سورت میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔شامی میں ہے:

ولذا صرّح في الذخيرة،إلخ." (فتاویٰ دارالعلوم قدیم:۱۰۰/۱)

اورحضرت تھانویؒ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

حاصل مسئلۂ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہرسورہ کا جز نہ ہو،مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہرسورہ پر منقول ہے۔پس اگر کوئی شخص ہرسورہ پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوئی، گوکوئی جز متروک نہ ہوا ہو، جبکہ کم ازکم ایک سورہ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہرسورت پر بسم اللہ منقول ہو؛لیکن ہرسورہ کا جز نہیں ہے، بلکہ جز مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہوجائے گا، گواس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو، پس امام عاصمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں، کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہرسورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں، کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہرسورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردالمحتار میں ہرسورہ پر تسمیہ کو حسن کہا ہے۔(امدادالفتاوی:۳۴۶/۱-۳۴۷)

اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ صورت مسئلہ آپ کے سامنے واضح ہوچکی ہوگی اور یہ بات بھی آپ کے سامنے آگئی ہوگی کہ تسمیہ بین الفاتحہ والسورہ کے حسن ہونے کا قول جو اختیار کیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس میں امام صاحب کے قول کو مرجوح قرار دے کر امام محمدؒ کے قول کو اختیار کرلیا گیا ہو، تاکہ اصول افتا کی اس بحث میں الجھنا پڑے، جو رسم المفتی سے آپ نے نقل کی ہے اور اسی طرح" عليه الفتوىٰ وهو المختار، أكد اور غير أكد "ہونے کی بحث بھی

یہاں نہیں پیدا ہوتی، جس کے لئے آپ نے عقود رسم المفتی کی عبارت نقل کی ہے، پھر اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کے پیش کردہ سارے دلائل نفی سنیت کو مفید ہیں، نفی حسن کو نہیں، لہذا آپ کا یہ کہنا کہ مجھے اس مسئلہ سے اختلاف ہے کہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورہ مستحب اور بہتر ہے، قابل غور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام القاسمی۔۲۱/۵/۱۳۸۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۰۰-۴۰۶)(۱)

درمیان سے سورۃ پڑھے تو بسم اللہ پڑھے یا نہیں:

سوال: جب کسی سورۃ کو درمیان سے پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں، اور وتر میں جب دعائے قنوت پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟ اور نماز جنازہ میں جب درود یا دعا پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟

الجواب

جب کسی سورۃ کو درمیان سے بھی پڑھے تب بھی بسم اللہ کرے اور وتر میں جب دعاءِ قنوت پڑھے، تب بھی بسم اللہ کرے اور جنازہ کی نماز میں جب درود یادعا پڑھے اور بسم اللہ شروع میں پڑھے، کچھ حرج نہیں۔(۲)

کتبہ رشید احمد، الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۸)

☆ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ کی بحث:

سوال: خلاصۃ الفتاویٰ جلد اول صفحہ:۵۲ میں ہے:

"**والكلام في التسمية على وجوه ... منها أنه يأتي بها في أول الصلاة لاغيرفي رواية الحسن رحمه الله عن أبي حنيفة رحمه الله،وفي رواية أبي يوسف رحمه الله عن أبي حنيفة رحمه الله يأتي بها في أول كل ركعة،وعن محمدرحمه الله يأتي بها في أول كل ركعة وعند افتتاح كل سورة إلا إذا كانت صلوٰة يجهرفيها بالقراء ة لايأتي الإمام بالتسمية بين الفاتحة والسورة عندنا**".

اب ان اقوال میں سے کس قول پر فتویٰ دیا جاوے اور عمل کیا جاوے؟

الجواب

اس کا فیصلہ صاحب درمختار نے اس طرح کیا ہے:

(و) كما تعوذ (سمّى،إلخ)(سرًا في)أول(كل ركعة،إلخ)(لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسريةً ولا تكره اتفاقاً(قوله ولاتكره اتفاقاً) ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّاأوجهرًا كان حسناً عند أبي حنيفةرحمه الله رجحه المحقق ابن الهمام، الخ.(شامي)(الدرالمختارمع رد المحتار،باب صفة الصلاة:۱/ ٤٥٧-٤٥٨،ظفير)

پس معلوم ہوا کہ مابین فاتحہ وسورۃ کے بھی بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے، اگر چہ سنت مؤکدہ نہیں، جیسا کہ اول ہر رکعت میں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۴-۱۹۵)

(۱) بعینہ یہ فتویٰ "فتاویٰ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی:۶۰-۶۷" میں مذکور ہے۔ انیس

(۲) یعنی ان تمام صورتوں میں اگر چہ بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے لیکن اگر پڑھ لے تو حرج بھی نہیں ہے۔

==

== كما في الشامي: ۵۸۱/۱ (كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،فروع سمع إسم الله تعالىٰ، انيس) في بيان مفسدات الصلوٰة:(قوله سمع إسم الله تعالىٰ فقال جل جلا له، إلخ)لأن نفس تعظيم الله تعالىٰ والصلوٰة على نبيه صلى الله عليه وسلم لاينافي الصلوٰة ويؤيده مافي الدرالمختار في بيان تاليف الصلوٰة:لاتسن البسملة بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسرية ولا تكره اتفاقاً إلخ. (جمیل غفرلہ)

مذکورہ فتویٰ بعینہ ''باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱'' میں مذکور ہے۔انیس

سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تسمیہ کا حکم:

سوال: سورۃ فاتحہ کے بعد درمیانی سورۃ کے تسمیہ پڑھنا کیسا ہے، اگر پڑھ لیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک کیا ہوگا؟ جہراً اور سراً بھی تشریح کردیں گے۔اس کے متعلق صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''(ولا تسن أى التسمية) (بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولوسرية ولا تكره اتفاقاً ''. (باب صفة الصلوة) (الدر المختار،فصل في بيان تأليف الصلوة إلى إنتهائها: ۴۹۰/۱، سعيد)

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصليًا

ردالمحتار: ۴۵۷/۱ :(قوله:ولا تسن(أى التسمية)(بين الفاتحة والسورة مطقاً)(الدرالمختار)

(وفي ردالمحتار):ثم إن هذا قولهما وصححه في البدائع وقال محمد:تسن إن خافت لا إن جهر...آه''.

''قوله:(ولاتكره،إلخ)ولهٰذاصرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أو جهرًاكا حسناً عند أبي حنيفة،ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي لشبهة الاختلاف في كو نهاآية من كل سورة.(ردالمحتار،كتاب الصلوة،فصل في بيان تأليف الصلاة: ۴۹۰/۱، سعيد)

اور شرح مراقی الفلاح میں تصحیح اور فتویٰ مذکور ہے۔(ثم اعلم أنه لافرق في الإتيان بالبسملة بين الصلاة الجهرية والسرية،وفي حاشية المؤلف علىٰ الدرر:واتفقوا علىٰ عدم الكراهة في ذكرها بين الفاتحة والسورة،بل هوحسن سواءٌ كانت الصلاة سرية أوجهرية ، و ينافيه ما في القهستاني أنه لايسمى بين الفاتحة، والسورة في قولهما وفي رواية عن محمد قال في المضمرات:و الفتوىٰ على قولهما،وعن محمد أنها تسن في السرية دون الجهرية لئلا يلزم الإخفاء بين جهرين،وهوشنيع واختاره في العناية،والمحيط،وقال في شرح الضياء:لفظ الفتوى آكد من المختار،وما في الحاشية تبع فيه الكمال وتلميذه ابن أميرحاج حيث رجحا أن الخلاف في السنية ، فلاخلاف أنه لوسمىٰ لكان حسناً لشبهة الخلاف في كونها آية من كل سورة''. (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح،كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها: ۲۶۰-۲۶۱،قديمي)

نیز بحر میں مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں۔''(قوله: في كل ركعة):أى في ابتداء كل ركعة فلا تسن التسمية بين الفاتحة والسورة مطلقاًعندهما،وقال محمد:تسن إذاخافت،لا إن جهروصحح في البدائع قولهما.والخلاف في الاستنان أما عدم الكراهة فمتفق عليه ولهذاصرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة كان حسناً عند أبي حنيفة ، سواءٌ كانت تلك السورة مقروءةً سرًا أوجهرًا ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذ الحبلي لشبهة الاختلاف في كونهاآية من كل سورة''. (البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۴۵/۱،رشيدية) (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۳/۵-۵۹۴) ==

== **بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ سراً ہے یا جہراً:**

سوال: نماز میں بسم اللہ سورہ فاتحہ کے بعد اور سورۃ کے قبل پڑھنی چاہئے یا نہیں، اگر پڑھی جائے تو سراً یا جہراً؟ صاحب ہدایہ تسمیہ کو ابتداءِ سورۃ میں منع کرتے ہیں اور صاحب درمختار مستحب کہتے ہیں، ان دونوں میں سے کون صحیح اور قابل عمل ہے اور دوسرے کا کیا جواب، اور نیز فاتحہ کے ابتدا میں تسمیہ کا حکم اس کے موافق ہے یا مخالف، مخالف ہے تو کیوں؟

الجواب

عبارت درمختار یہ ہے:

"لا تسن(أى التسمية)(بين الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسريةً ولاتكره اتفاقاً إلخ". (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۵۷، ظفیر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداءِ سورۃ میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔ شامی میں ہے:

ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أوجهرًا كان حسناً عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ ورجحه المحقق ابن الهمام إلخ. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب قراءة البسملة: ۱/۴۵۸، ظفیر)

(بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی، **"أما الموضع الرابع فإنها تخفى عندنا، إلخ، عن أنس رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسر ببسم اللّٰه الرحمن الرحيم" إلخ.** (غنية المستملى: ۳۰۱، ظفیر) (بيان صفة الصلاة، انیس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۷۸-۱۸۲)

فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا:

سوال: ہر نماز کی ہر رکعت میں قبل شروع کرنے سورہ فاتحہ اور بعد سورہ فاتحہ قبل سورۃ کے بسم اللہ کا پڑھنا جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص: ۴۷۰ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے "**من تركها فقد ترك مائة وأربع عشرة آية، من كتاب اللّٰه تعالىٰ. كذا في المدارك**" سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

الجواب

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے، البتہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ درمختار میں ہے:

وكما تعوذ سمى غير المؤتم الخ سراً في أول كل ركعة ولو جهرية لاتسن بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولو سرية. إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۱۹۱-۱۹۲، انیس)

معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے اور درمیان فاتحہ اور سورۃ کے بسم اللہ پڑھنی مسنون نہیں ہے اور جو حدیث فتاویٰ نذیریہ سے نقل کی ہے، یہ قابل عمل نہیں ہے۔ **واللّٰه تعالىٰ أعلم**

کتبہ مسعود احمد۔ (امداد المفتین: ۲/۳۰۷) ==

== حکم قرأۃ بسملہ بین الفاتحہ والسورۃ:

سوال: قرأہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ کوعلامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نےحسن کہا ہے:(**وقوله ولا تكره اتفاقًا)ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقرؤة سرًا أوجهرا كان حسنًا عندأبي حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبي بشهة الاختلاف في كونها آية كل سورة بحر.(ردالمحتار: ١/ ٣٦٢،مصرى)** لیکن اسی کےاوپر جوعبارت ہےوہ یہ ہےکہ!(**قوله لاتسن)مقتضى كلام المتن أن يقال لا يسمى لكنه عدل عنه لايهامه الكراهة بخلاف نفى السنية ثم أن هٰذا قولهماوصححه في البدائع قال محمد تسن إن خافت لاإن جهربحرونسب ابن الضياء في شرح الغزنوية الأول إلٰى أبي يوسف فقط فقال وهٰذا قول أبي يوسف وذكر في المصفى أن الفتوى علٰى قول أبي يوسف أنه يسمٰى في أول كل ركعة ويخفيهاوذكرفي المحيط المختارقول محمد وهوأن يسمّى قبل الفاتحة وقبل كل سورة في كل ركعة وفي رواية الحسن ابن زياده أنه يسمى في الركعة الأولٰى لا غيروإنما أختيرقول أبي يوسف لأن نقطة الفتوىٰ آكد وأبلغ من لفظة المختارولأن قول أبي يوسف وسط وخيرالاُمور اَوسطها،كذا في شرح عمدة المصلي،اه.(ردالمحتار: ٣٦٢/١،مصرى)** اورعالمگیریہ کتاب الصلوٰۃ باب چہارم صفت نماز کی فصل،نماز کی سنتوں اوراس کے آداب کے بیان میں ہے:’’تعوذ کے بعد آہستہ بسم اللہ پڑھےاوربسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے،سورتوں میں فصل کے واسطے اتری ہے‘‘،یہ ظہریہ میں مکروہات صلوٰہ کے بیان میں لکھا ہے،صرف بسم اللہ سےفرض قراءت ادانہیں ہوتا،یہ الجوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے،بسم اللہ ہررکعت کےاول میں پڑھے،یہ امام ابویوسفؒ کا قول ہے۔یہ محیط میں ہےاور حجۃ میں ہے کہ اسی پرفتویٰ ہے،یہ تاتارخانیہ میں ہے،فاتحہ اورسورۃ کے درمیان میں بسم اللہ نہ پڑھے،یہ وقایہ میں اور نقایہ میں لکھا ہے،یہی صحیح ہے،یہ بدائع اور جوہرۂ نیرہ میں لکھا ہے۔(فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ:۹۹،جلد:۱،مطبوعہ نولکشور ۱۳۳۵ھ)

افسوس ہے کہ فتاویٰ عالمگیریہ اصل عربی میں یہاں موجودنہیں ہے،میں نے حوالہ میں کتاب الصلوٰۃ اور باب اورفصل درج کردی،حضوراصل عربی میں ملاحظہ فرمالیں،عبارت عالمگیریہ سےصاف واضح ہے کہ بین الفاتحہ والسورۃ بسم اللہ نہ پڑھےاورلفظ فتویٰ اورلفظ صحیح کافی ووافی طور پراس کےدلائل ہیں اورعبارت شامی میں ’’**وإنما اختير**‘‘ سےخط کشیدہ عبارت بین الفاتحہ والسورۃ بسم اللہ نہ پڑھنے کےاوپردلالت صریحہ کررہی ہیں۔

اس کے باوجودکہ لفظ’’ **لفظة الفتوىٰ وآكد وأبلغ**‘‘ کےمقابلہ میں قول مختارامام محمدؒ کابھی چھوڑ دیا گیااورامام ابویوسفؒ کاقول اختیارکیا گیا،بہشتی زیورمیں بسم اللہ پڑھنالکھا گیا ہے’’پھربسم اللہ پڑھ کر’’ **الحمد**‘‘ پڑھےاور’’**ولاالضالين**‘‘کےبعدآمین کہے،پھر بسم اللہ پڑھ کےکوئی سورۃ پڑھے‘‘ بہشتی زیور مدلل ومکمل حصہ دوم ص:۲۴،توکیا فتویٰ کے مقابلہ پرحسن پرعمل کیا جائے گا،حالانکہ نہ پڑھنےکوصحیح کہا گیا ہے’’عالمگیری‘‘،توسوال یہ ہےکہ اول توبہشتی زیورسے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بسم اللہ کاپڑھنابطورمباح کےہے یابطورسنت کے پڑھنےکولکھاہے؛لیکن پھربھی فتویٰ،آکدوابلغ کےمقابلہ پرحسن کااختیارکرناسمجھ میں نہ آیا،حضوروالاتسلی وتشفی فرماکراحسان عظیم فرمادیں،اب تک میراعمل نہ پڑھنے پرہےاوریوں ہی دوسروں کومسئلہ بتاتاہوں، ==

تراویح یا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا:

سوال: ایک شخص نماز تراویح یا اور کوئی نماز لوگوں کو پڑھاتا ہے اور ہر رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھتا ہے اور ہر سورت کے اول میں بسم اللہ بھی جہر سے کہتا ہے تو ہر سورت کے ساتھ نماز میں بسم اللہ کا ملانا جائز ہے یا نہیں اور نماز جہری میں بسم اللہ آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ پڑھنا فضیلت رکھتا ہے اور اکثر حافظوں کا یہ دستور ہے کہ نماز تراویح میں کسی سورۃ کے اول تمام قرآن میں بسم اللہ نہیں پڑھتے۔صرف سورۂ اخلاص کے اول بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ سو یہ فعل ان کا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر ہر سورت کے اول نماز تراویح میں بسم اللہ نہ پڑھی جاوے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے قرآن کی قرأت کامل ہوگی یا ناقص رہے گی۔ بینوا توجروا؟

الجواب

مذہب حنفیہ میں بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا سنت ہے اور جہر سے پڑھنا ترک اولیٰ ہے اور تراویح جو قرآن کا ختم ہوتا

== ہاں البتہ جب میں تراویح میں ختم کرتا ہوں تو بسم اللہ بین السورتین کرلیتا ہوں، بسبب تصادم روایت عاصمؒ کے کہ براویت ان کے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ سنت ہے، وبسمل بین السورتین ودرایۃ وتحملا تاکہ قرآن کے نقص کا احتمال نہ رہے، اور ایسا ہی آپ نے فتاویٰ امدادیہ میں جواب دیا ہے، اسی قسم کے ایک سوال کا، لیکن یہ بات عام نمازوں میں تو نہیں، پھر بھی فتویٰ کو چھوڑ دینا کیسا؟ بینوا بالدلائل توجروا بالفضائل۔

الجواب

قول ابی یوسفؒ پر فتویٰ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تسمیہ قبل سورۃ کو مسنون نہ کہا جاوے گا؛ لیکن بناء برمزید احتیاط اس کو حسن سمجھ کر پڑھ لیا جاوے تو اس فتوے کے خلاف نہیں ہے، کما لا یخفی۔

اور بہشتی زیور میں جو ترکیب نماز کی بیان کی ہے، اس میں دوسرے افعال کے مسنون وغیرہ ہونے سے بھی تعرض نہیں جو ان میں تصریح کی حاجت ہوتی، **وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح (ص: ۱۵۱) عن الکمال و تلمیذہ ابن أمیر حاج أن الخلاف فی السنیۃ فلاخلاف أنہ لو سمی لکان حسناً لشبہۃ الخلاف فی کون آیۃ من کل سورۃ،إلخ** ۔باقی رہا سوال تراویح میں ہر سورۃ کے شروع پر بسم اللہ پڑھنے کا، سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مولانا (اور امداد الفتاویٰ میں) مدفیوضہم ونیز دیگر اکابر کا یہی معمول ہے کہ ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھتے، بلکہ تمام قرآن میں فقط ایک سورۃ کے شروع میں پڑھتے ہیں، کیونکہ تسمیہ آیۃ من القرآن ہے، نہ کہ آیۃ من کل السورۃ، اور احکام نماز میں ائمۃ الفقہ کے قول پر عمل کرنا چاہئے اور امام عاصمؒ کا قول خارج صلوٰۃ قابل عمل ہے ونیز امام عاصمؒ کی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ کو بحیثیت جزء القرآن ہونے کے پڑھتے تھے، لہٰذا ختم قرآن میں شبہ نہ کیا جائے، بیش بریں نیست کہ ان کے نزدیک جو چیز مسنون تھی، وہ ترک ہوگئی، سو اس کا مضائقہ نہیں؛ کیونکہ ہم فقہ میں ان کے مقلد نہیں ہیں اور نماز جہریہ میں امام محمدؒ بھی تسمیہ کے قائل نہیں، اس لئے تسمیہ بین السورتین کو جو حسن کہتے ہیں، ان کے نزدیک بھی تراویح میں ہر سورۃ پر بسم اللہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالکریم عفی عنہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۔۲۰ ر رمضان ۱۳۴۸ھ۔(امداد الاحکام: ۱۹۶-۱۹۹)

ہے، اس میں بھی مذہب حنفیہ کے موافق یہی حکم ہے، مگر حفص قاری جن کی قرأت اب ہم لوگوں میں شائع ہے، ان کے نزدیک بسم اللہ جزو ہر سورت کا ہے اور جہر سے پڑھنا ان کے نزدیک ضروری ہے، پس اگر اقتداء سے ان کے کوئی ہر سورت پر جہر سے بسم اللہ پڑھے تو مضائقہ نہیں، جیسا بعض قراء کا دستور ہے تو اس حالت میں قرآن کا کامل ہونا حفص کے نزدیک جہر بسم اللہ پر موقوف ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دفعہ کہیں جہر سے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے، بہرحال دونوں طرح درست ہے۔ ایسے امور میں خلاف ونزاع مناسب نہیں کہ سب مذاہب صحیح ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم　　　(رشید احمد گنگوہی)

یہ قول ٹھیک ہے اور لاریب احادیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہیں، یعنی بسم اللہ کا پڑھنا نماز میں جہراً بھی آیا ہے اور سراً بھی ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا متروک ہو رہا ہے تو یہ سنت مردہ کے حکم میں ہے، پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سو شہیدوں کا ثواب ملے؛ پس اولیٰ یہ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں۔ خواہ وہ فرض نمازیں ہوں جن میں قرأت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، جیسے: فجر، عشاء، مغرب خواہ تراویح کی نماز ہو۔

حمید اللہ، مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ۔ (تالیفات رشیدیہ ۱۷۱) ☆

☆　**ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا:**

سوال:　پانی پت کے قاری تراویح میں شروع ہر سورت پر بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں اگر درست ہے تو کس امام کے نزدیک؟

الجواب

بسم اللہ جہر سے پڑھنا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے، مگر چونکہ یہ امر قراءت متعارف ہند کے موافق ہے، اس لیے ان پر اعتراض نامناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۷۰)

حکم جہر بسم اللہ در سورۂ اقرأ:

سوال:　زید نے رمضان شریف میں نماز تراویح میں بروز ختم قرآن شریف سورہ اقرأ شروع کرتے وقت زور سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھی تو عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ نہ پڑھنا چاہئے اور کیا کہتا ہے کہ قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جا رہا تھا، بسم اللہ کو درمیان میں کیوں حائل کیا، زید کہتا ہے کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے، اگر میں بسم اللہ جہر کے ساتھ نہ پڑھتا تو ایک جزو قرآن شریف کا رہ جاتا، لیکن عمرو زید کی اس گفتگو پر یقین نہیں کرتا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کس حد تک صحیح ہے اور کس کی بات تسلیم کی جائے اگر دونوں راہ حق پر نہیں ہیں تو براہ شرع شریف جو حکم ہو اس سے آگاہی فرما کر طمانیت بخشی جائے؟

الجواب

زید کا قول صحیح ہے، تمام قرآن میں ایک جگہ کسی سورۃ پر بسم اللہ کا جہر لازم ہے تاکہ ختم پورا ہو جائے، اور سورۂ اقراء پر جہر کرنا ہمارے اکابر کا مختار ہے، کیونکہ یہ سورۃ نزول میں مقدم ہے، اور عمرو کا یہ کہنا کہ اس سے تسلسل قرآن جاتا رہا بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ بسم اللہ بھی تو قرآن ہی ہے، پس قرآن کی آیت سے تسلسل قرآن کیوں کم آ جائے گی۔

۲؍ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۱)

==

بسم اللہ کو تمام قرآن مجید میں کہاں پڑھے:

سوال: بسم اللہ شریف کو ختم قرآن شریف میں سورۂ نمل کے سوا کہ جو جزوِ قرآن ہے، اس کو سورۂ اخلاص ہی پر پڑھنا چاہیے یا اور کسی سورت پر بھی پڑھنا بلا تخصیص درست ہے۔

الجواب

بسم اللہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کی آیت ہے اور کسی سورۃ کا جزو نہیں،(۱) اس کو ایک بار خواہ کہیں، پڑھ دیوے، درست ہے، خصوصیت "قل هو اللّٰه" کی نہیں، جہاں چاہے، پڑھ دیوے، البتہ یہ عقیدہ کرنا کہ سوائے "قل هو اللّٰه" کے اور کسی صورت پر درست نہیں بدعت ہوگا ورنہ کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ: ۲۷۰)

بسم اللہ جزو قرآن ہے یا نہیں:

سوال: "بسم اللّٰه" قرآن شریف کا جزو ہے یا نہیں، اگر ہے تو جہری نماز میں بسم اللّٰه کو بالجہر کیوں نہیں پڑھتے؟ یہاں ایک حافظ نے ماہِ رمضان میں قرآن سناتے وقت صرف "قل هو اللّٰه أحد" کے شروع میں بسم اللّٰه بالجہر پڑھی۔

الجواب

حنفیہ کے نزدیک بسم اللّٰه ہر ایک سورۃ کا جزو نہیں ہے، محض فصل بين السورتين کے لئے اوائل سورۃ میں لکھی جاتی ہے اور سوائے سورۂ توبہ ہر ایک سورت کے اول میں لکھنا اس کا ثابت ہے، مگر جزو ہونا اس کا ثابت نہیں ہے، اس لئے جہر کرنا ہر ایک سورت کے ساتھ حکم نہیں ہے، صرف تمام قرآن شریف میں ایک آیت "بسم اللّٰه" بھی ہے، اس لئے تراویح میں جب قرآن شریف پورا پڑھا جاتا ہے تو ایک جگہ جہر کر دیا جاتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۶)

== دو رکعتوں میں ایک چھوٹی سورۃ پڑھنا:

سوال: زید نے نماز تراویح میں ارأیت الذی میں دو رکعت اس طور پر کی کہ پہلی رکعت میں لفظ "مسکین" تک اور دوسری رکعت میں ختم تک آیا یہ دو رکعتیں ہوئیں یا نہیں، اگر نہیں ہوئیں تو اب اس کی مکافات کیا ہوسکتی ہے؟

الجواب

یہ دونوں رکعتیں صحیح ہو گئیں، مگر ایسا کرنا مناسب نہ تھا، ایسی چھوٹی سورتوں میں دو رکعتیں ایک سورۃ کے اندر نہ کونا (غور کر لیا جائے) چاہئے، کہ اس صورت سے ہر رکعت میں تین آیات نہیں ہوئیں۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۱-۲۰۲)

(۱) (التسمية آية من القرآن وليست من الفاتحة) قال أبوبكر أحمد: ولا نعرف عن أصحابنا نصافي أن "بسم الله الرحمن الرحيم" من فاتحة الكتاب أو ليست منها. (شرح مختصر الطحاوي، باب صفة الصلاة: ۱/۵۸۹، دار البشائر الإسلامية. انيس)

(۲) وهي أى بسم الله إلخ آية واحدة من القرآن كله أنزلت للفصل بين السور، إلخ، وليست من الفاتحة ==

بسم اللہ کے جزء سورۃ ہونے میں امام عاصم اور امام صاحب کے مابین تعارض کا ازالہ:

سوال: خاکسار نے الامداد میں ایک عبارت بعنوان سوال وجواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی ،جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں اور شاطبی(۱) کا جو شعر ہے ۔

وبسمل بين السورتين بسنته رجال نمو ها دريته وتحملا

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت ہے، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر سورت کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ تو صحیح ہے؛لیکن شاطبی پشاوری جس کے حاشیہ پر دو شرحیں چڑھی ہیں، منجملہ ان کے شرح کنز المعانی بھی ہے، کنز المعانی کے صفحہ:۳۸ پر اسی شعر کی شرح کی ہے:

"ثم المبسملون بعضهم عدها آية من كل سورة سوى براء ةوهم غيرقالو ن وعدها حمزة من التاركين آية من الفاتحة"فقط.

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ سورۃ کا جزو ہے جناب اس کا جواب تحریر فرماویں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہوگیا،اور جس سوال کا میں جواب دیا تھا وہ پھر محتاج جواب ہوگیا،میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت ،دوسرے علماء وقراء سے رجوع کیا جاوے اور کوئی شافی جواب ملے ۔ بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالہ میں نقل کردوں گا ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے،روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا اور اجتہاد میں امام صاحبؒ کا،پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔

۱۲رشوال ۱۳۳۹ھ۔(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۴۳-۳۴۴)

سوال: مخدوم مکرم دامت فیوضہم بعد سلام بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا، جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھتے ہیں:

''وہمہ اقوال حق اندو از قبیل اختلاف قرأۃ ہستند''۔

== ولامن كل سورة في الأصح . (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ۱/۴۵۸،ظفير)

(۱) الشاطبية،باب البسملة (رقم القاعدة: ۱۰۰) ۹/۱،مكتبة دار الهدىٰ و دار الغوثاني للدراسات القرآنية.انيس

اور اسی عبارت پر خود ہی منہیہ لکھتے ہیں، وہ یہ ہے:

''بدانکہ چوں در جز وبودن ونبودن بسم اللہ از ہر سورۃ اختلاف قراءۃ است پس بر قاری قراءۃ مبسملین در تراویح قراءۃ بسملہ بر ہر سورۃ جہرا واجب شد والاترک یک صد وچہار دہ آیت در ختم لازم آید، وآں جائز نیست ومعمول دیار حنفی المذہب برخلاف آں است پس سبب اہل ترک وغفلت معلوم نیست''۔

اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے، یوں لکھتے ہیں:

تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں، چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں، لہذا ہم چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں، نہ مسائل منصوصہ میں، تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؛ کیونکہ وہ امام مجتہد مطلق تھے اور قراءۃ میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قرأت کے ہیں؛ کیونکہ وہ ہر حرف اور ہر نقطہ کی سند متصل اور متواتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رکھتے ہیں اور قرأۃ میں ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا۔

اور آگے جا کے لکھتے ہیں:

دلائل مبسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں، یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے، دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے، اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصم اور ابوحنیفہ کا، اگر اجتہاد سے مراد فرض وتحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیس اور مقیس علیہ اور وصف مشترک اور نص اور وصف اشتراک کے کیا ہے؟ انتہی۔

الجواب

فی غیث النفع بعد نقل بعض الاختلافات فی البسملة تحت عنوان البسملة وسورة الفاتحة مانصه: وأیضا فإن المحققین من الشافعیة وعزاه الماوردی إلی الجمهور علی أنها آیة حکمًا لا قطعًا، قال النووی: والصحیح أنها قرآن علی سبیل الحکم ولو کانت قرأنًا علی سبیل القطع لکفرنا فیها وهو خلاف الإجماع وقال المحلی عند قول منهاج فقههم: (والبسملة منها) أی من الفاتحة عملًا لأنه صلی الله علیه وسلم عدها آیة منها صححه ابن خزیمة والحاکم ویکفی فی ثبوتها من حیث العمل الظن، انتهی.

ومعنی الحکم والعمل أنه لاتصح صلوٰة من لم یات بها فی أول الفاتحة وهو نظیر کون الحجر من البیت أی فی الحکم باعتبار الطواف والصلاة فیه لا له باعتبار أنه من البیت إذ لم یثبت ذلک بقاطع وإذا قلنا إنها آیة قطعًا لاحکمًا کما هو ظاهر عبارة کثیر فیکون من باب اختلاف القراء فی

اسقاط بعض الکلمات و اثباتها و کل قرأ بما تواتر عنده و الفقهاء تبع للقراء فی هذا و کل علم یسال عنه أهله و المسئلة طویلة الذیل وما ذکرنا ہ لب کلامهم و تحقیقه.(۱۹)(۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے، یہ مقدمات تو قرأت فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملة فی الفرائض کا التزام کریں گے۔

۲۰رشوال ۱۳۳۹ھ۔(ترجیح خامس ۱۱۹)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۴۴۔۳۴۶)

أیضاً:

سوال: ایک امر قابل دریافت ہے وہ یہ کہ باب البسملة میں امام عاصم کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں براویت حفص عن العاصم الکوفی ''ختم کلام مجید پورے طور پر کیونکہ ہوگا، اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورۃ کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سوتیرہ سورۃ کے اول میں نہیں پڑھی جاتی، ختم کلام مجید میں امام عاصم کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانناکوئی حرج تو نہیں؟

الجواب

بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق، عاصم کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق، حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورۃ کا جز و نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورۃ پر منقول ہے، پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءۃ اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جز ومتروک نہ ہوا ہو، جب کہ کم از کم ایک سورۃ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورت کا جز و نہیں ہے، بلکہ جز و مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو، پس امام عاصم اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں؛ کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف

(۱) غیث النفع فی القراء ات السبع، سورۃ الفاتحة: ۳۹/۱، دار الکتب العلمیة بیروت. انیس

نہیں؛ کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہرسورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردمختار میں ہرسورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا، یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے، صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ۔ (امداد: ۱/۴۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۴۶-۳۴۷)

سورہ توبہ کے شروع میں بسملہ کی تحقیق:

سیدی ومولائی، دام ظلکم العالی　　السلام علیکم

سوال: عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتداً تلاوت برأۃ سے ہو؛ اغلاط العوام میں داخل کیا ہے اور مکرر میں ہے:

وأجمع القراء على ترك البسملة في أول برأة سواء ابتداء بها أو وصلها بالأنفال. (۱)

ایسا ہی شاطبیہ میں ہے۔ (۲) لہذا جناب کے قول اور مکرر میں، جو صورت تطبیق ہو، تحریر فرماویں؟

الجواب

واقع میں ان دونوں میں تطبیق نہیں ہوسکتی، مگر یہ مسئلہ فن قرأت کا نہیں، اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں، قواعد فقہیہ کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم (۱)

بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے، خیال میں آ گئی وہ یہ کہ!

---

(۱) **المكرر في ماتواتر من القراء ات السبع وتحرر، باب البسملة: ۱/۲۷، دار الكتب العلمية بيروت. انيس**

(۲) **ومهما تصلها أو بدأت براءة　　لتنزيلها بالسيف لست مبسملا. (الشاطبية، رقم القاعدة: ۱۰۵)**

المعنى: إذا وصلت براءة بالسورة قبلها وهي الأنفال أو ابتدأت بها القراءة فلا تبسمل في أولها لأحد من القراء سواء كان مذهبه بين السورتين البسملة أو السكت أو الوصل. (الوافي في شرح الشاطبية، باب البسملة: ۱/۴۸، مكتبة السوادي للتوزيع. انيس)

(۱) یعنی تلاوت کے شروع میں بسم اللہ برکت کے لئے پڑھی جاتی ہے لہذا جس طرح سورہ براءۃ کی درمیان کی آیتوں سے تلاوت شروع کرتے وقت بسم اللہ برکت کیلئے پڑھتے ہیں، اسی طرح سورۂ برأت کے شروع سے تلاوت شروع کریں تو بھی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

تكره (اى البسملة) ... في أول سورة برأة إذا وصل قراءتها بالأنفال كما قيده بعض المشائخ، آه. (ردالمحتار: ۱/ ۸، في تتمه الكلام حول الحمدلة)

جولوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے پس اگر پڑھیں گے تو رسم واجماع کے خلاف ہوگا۔ لیکن مجوزین کی دلیل قوی ہے۔ (سعید احمد پالنپوری)

ابتداء بسورۃ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت ابتداء بمطلق القراءۃ کی، دوسری حیثیت ابتداء باسورۃ کی، پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے اور مکرر اور شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ **فلا تعارض و اللّٰه أعلم**

(ترجیح خامس:۱۰۳)(امداالفتاویٰ جدید:۱/۳۴۲-۳۴۳)

قرأت میں قصار، اوساط اور طوال کی رعایت مسنون ہے یا مستحب اور ان کی تفصیل:

سوال: فجر وظہر میں طوال، عصر وعشا میں اوساط اور مغرب میں قصار کی قرأت مستحب یا مسنون ہے، مگر کہاں سے کہاں تک طوال اور کہاں سے کہاں تک اوساط اور کہاں سے کہاں تک قصار ہے؟

الجواب

یہ رعایت مسنون ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو بذریعہ خطوط کے اس کی تاکید فرمائی ہے اور احادیث مرفوعہ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔

"والطوال من "ق" إلى "البروج" والأوساط منها إلى "لم يكن" والقصار منها إلى آخر القرآن هٰذا هو المشهور بين الحنفية وفيه أقوال أخر أيضًا.(۱)

۲۰ رشعبان ۱۳۴۸ھ۔(امدادالاحکام:۲/۱۹۶)

☆☆☆

(۱) والمفصل هو السبع السابع قيل: أوله عند الأكثرين من سورة الحجرات وقيل من سورة محمد أو من الفتح أو من ق والطوال من مبدئه إلى البروج وأوساطه منها إلى لم يكن وقصاره منها إلى آخره، وقيل طواله من الحجرات إلى عبس وأوساطه من كورت إلى الضحى والباقي وقصاره لما روى عن عمر أنه يقرأ في المغرب بقصار المفصل وفي العشاء بوسط المفصل وفي الصبح بطوال المفصل كالفجر لمساواتها في سعة الوقت وورد أنه كالعصر لاشتغال الناس بمهماتهم، الخ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في سننها: ۹۸، المكتبة العصرية. انيس)

مسئلہ: قرأت کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ آہستہ کہنا سنت ہے۔

یہ صرف امام یا تنہا پڑھنے والا پڑھے، مقتدی نہ پڑھے۔

مسبوق چھوٹی ہوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تب پڑھے۔

عیدین کی نماز میں امام تکبیروں کے بعد پڑھے۔

یہ صرف قرآن مجید کی تلاوت کے لئے سنت ہے اس لئے دوسری جگہ نہ پڑھے۔(ملخص از شامی:۱/۳۲۹)

اعوذ باللہ سے پہلے بسم اللہ پڑھ چکے تو اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔(شامی:۱/۳۲۹)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۴۵)(انیس)

سنن نماز

''تکبیرات، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ''

تکبیراتِ انتقال، رکوع وسجدہ میں:

سوال: بعض ائمہ رکوع اور سجدہ میں آخر میں تکبیر کہتے ہیں، اور بعض رکوع اور سجدہ کی ابتدا ہی میں تکبیر مکمل کر لیتے ہیں، تکبیر کس طرح اور کب شروع کریں؟ (محمد عبدالحمید، بیدر)

الجواب

تکبیر کہنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جونہی رکوع اور سجدہ کے لئے جھکے تکبیر کہنا شروع کرے اور رکوع اور سجدہ کی کیفیت میں پہنچنے تک تکبیر مکمل کرلے۔

"ویکبر مع الانحطاط قالوا: وهو الأصح... وابتداء ه عند أول الخرور وفراغه عندالاستواء". (۱)

البتہ اگر کوئی شخص تکبیر کو اتنا دراز کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو جیسے ہی جھکے تکبیر کہے؛ البتہ اگر امام ضعیف ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ شروع میں تکبیر کہنے کی وجہ سے مقتدی اس سے پہلے ہی رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں گے، تو اس کے لئے مناسب ہے کہ رکوع اور سجدہ کے قریب پہنچ کر تکبیر کہے؛ تاکہ کسی رکن میں مقتدی امام سے پہلے نہ چلے جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۷۵-۱۷۶)

---

(۱) البحر الرائق: ۱/۳۱۵ (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة.

(عن عبدالله بن مسعود قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر عند كل خفض ورفع وقيام وقعود وأبوبكر وعمر. (سنن الترمذی، باب ماجاء في في التكبير عندالركوع (ح: ۲۵۳)/مسندالبزار، عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۶۰۹)/سنن النسائی، باب التكبير عندالرفع من السجود (ح: ۱۱۴۲)/مسند أبی یعلیٰ الموصلی، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۵۱۲۸) انیس)

(۲) دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۶۲۳.

(عن أبی هريرة عن النبی صلی االله عليه وسلم قال: أما يخشیٰ -أو أما يخشیٰ- أحدكم إذا رفع رأسه والإمام ساجد أن يحول اللّٰه رأسه رأس حمار أو صورته صورة حمار. (سنن أبی داؤد، باب فيمن ينصرف قبل الإمام/وكذا فی البخاری، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام (ح: ۶۹۱)/الصحيح لمسلم، باب النهی عن سبق الإمام بركوع (ح: ۴۲۷) انیس)

تکبیراتِ انتقالیہ مسنون ہیں:

سوال: نماز میں تکبیراتِ انتقالیہ کا کیا حکم ہے؟ یہ مستحب ہیں یا مسنون؟ اور یہ حکم امام ومقتدی اور منفرد کے لئے یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟ اس کے ترک سے نماز متاثر ہوگی یا نہیں؟ آج کل بعض مقتدی حضرات عامۃً اس کا اہتمام نہیں کرتے، تشفی بخش ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حامدًا و مصليًا و مسلمًا:

نماز کی تکبیرات انتقالیہ، اسی طرح امام کے لئے "**سمع اللّٰه لمن حمده**" اور مقتدی کے لئے ربنا لک الحمد اور منفرد کے لئے دونوں کہنا مسنون ہیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہے، اور پوری امت کا تعامل رہا ہے، یہ تکبیرات، امام، مقتدی اور منفرد سب کے حق میں یکساں حیثیت رکھتی ہیں، صرف امام ومنفرد کے لئے مسنون ہوں اور مقتدی کے لئے نہ ہوں ایسا نہیں ہے۔ (دیکھئے! ردالمحتار مع الدر المختار: ۳۳٤/۱)(۱) والطحطاوی علی الدر: ۲۲۰/۱)

وفي البدائع: ... وعن عائشة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع قال: سمع الله لمن حمده، ربنا لك الحمد ... عن أبي موسىٰ الأشعري، وأبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "إنما جعل الأمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه، فإذا كبر فكبروا ... وإذا قال: سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا: ربنا لك الحمد"... وحديث عائشة محمول علىٰ حالة الانفراد في صلاة الليل. (۴۰۹/۱)(۲)

سنت مؤکدہ واجب کے قریب قریب ہے، تلویح میں لکھا ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے۔

ترك السنة المؤكدة قريب من الحرام. (ردالمحتار: ۷۱/۱-و-۳۱۹- ۲۱۵/۵)(۳)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ سنت چھوڑنے کے عادی ہیں اگر اسلامی سلطنت ہو تو ان سے قتال کیا جائے گا، اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان کی سرزنش کی جائے گی۔

(۱) ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعًا ويكتفي به الإمام ويكتفي بالتحميد المؤتم ويجمع بينهما لو منفرداً. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۳۳٤/۱، نعمانية، ديوبند) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۲) بدائع الصنائع: ۴۰۹/۱، دار الكتاب، ديوبند، كتاب الصلاة، فصل في سنن الصلاة، انيس

(۳) ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها: ۷۱/۱--۳۱۹/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في قولهم الإساءة دون الكراهة...: ۲۱۵/۵، كتاب الحظر والإباحة، ديوبند

فی الشامية: وقال محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ فی المصرين علی ترک السنة بالقتال و أبويوسف بالتأديب.(۳۱۹/۱)(۱)

سنت مؤکدہ کے ترک سے نماز ہوجاتی ہے، واجب الاعادہ نہیں رہتی ہے، البتہ اعادہ مستحب ہے۔

فی الدر: ترک السنة لا يوجب فساداً و لا سهوا بل إساءةً لو عامداً.(۳۱۸/۱)(۲)

وفی الشامية: أقول وقد ذکر فی الإمداد بحثا أن کون الإعادة بترک الواجب واجبة لا يمنع أن تکون الإعادة مندوبة بترک سنة، ونحوه فی القهستانی.(۳۰۷/۱)(۳)

نماز کی سنتوں کے ترک سے اس کے وہ ثمرات و برکات مرتب نہیں ہوتے جو سنتوں کی رعایت اور اہتمام کے ساتھ پڑھنے پر ہوتے ہیں، سنتوں کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھنے پر اللہ رب العزت نے ایک وعدہ یہ فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الصَّلاَةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ﴾(۴)

(کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔)

چونکہ ہماری نماز اس میزان پر پوری نہیں اترتی، لہٰذا اس سے اثرات وثمرات بھی پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے، تو پھر قصور ہمارا ہے، یا ہماری نماز کا یا کسی اور کا؟

بلا عذر جان بوجھ کر سنتوں کا ترک ممنوع ہے اور مسلسل چھوڑنے والا قابل عتاب وسرزنش اور لائق ملامت ہے۔

فی الشامية عن التحرير: أن تارکها يستوجب التضليل واللوم اهـ. والمراد الترک بلا عذر علی سبيل الإصرار کما فی شرح التحرير لابن أمير الحاج.(۷۱/۱)(۵)

اگر سنت مؤکدہ کا ترک سستی وکاہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہو تو یہ قابل عتاب وملامت ہے، لیکن اگر استہزا اور استخفاف کی وجہ سے ہو تو یہ کفر ہے، اسی طرح اسے از قبیل مشروعات نہ سمجھنا اور حق نہ جاننا بھی کفر ہے۔

فی الشامية: فإن الظاهر أن الحامل علی الإصرار علی الترک هو الاستخفاف بمعنی التهاون وعدم المبالاة، لا بمعنی الاستهانة والاحتقار وإلا کان کفراً کما مرّ.(۳۱۹/۱)(۶)

(۱) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی قولهم الإساءة دون الکراهة: ۳۱۹/۱، نعمانية، ديوبند

(۲) الدر المختار مع الرد، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۱۸/۱، نعمانيه، ديوبند

(۳) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب کل صلاة أديت مع کراهة التحريم تجب إعادتها: ۳۰۷/۱، نعمانيه، ديوبند

(۴) سورة العنکبوت: ۴۵۔

(۵) رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، مطلب فی السنة وتعريفها: ۷۱/۱، نعمانيه، ديوبند

(۶) حواله سابق، رد المحتار: ۳۱۹/۱، نعمانية، ديوبند

وفیہ: ولومستحفاً کفر، لما فی النھرعن البزازیة: لولم یرالسنة حقًا کفر، اھ؛ لأنه استخفاف ووجهه أن السنة أحد الأحکام الشرعیة المتفق علی مشروعیتها عند علماء الدین، فإذا أنکر ذلک ولم یرها شیئًا ثابتًا ومعتبرًا فی الدین یکون قد استخف بها واستهانها وذلک کفر، تأمل. (۳۱۸/۱)(۱)

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ!

ومن تهاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض. (۲)

(جو شخص سنتوں میں سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے، اس کو فرائض سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ترک السنن قد یؤدی إلیٰ الزندقة. (مرقات: ۱۹۱/۱)(۳)

(کہ سنتوں کے (بلا عذر) ترک کرتے رہنے سے زندقہ (بددینی) کا خطرہ ہے۔)

حاصل کلام یہ ہے کہ نماز کی تکبیرات انتقالیہ ہر ایک کے لئے مسنون ہے، نیز خواہ نماز کی سنتیں ہوں یا نماز کے باہر کی، سب کی سب لائق اعتنا اور قابل صد اہتمام ہیں، اسی میں ہمارے لئے دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی، اللہ ورسول کی رضا وخوشنودی کا سبب اور دلیل عشق ومحبت ہے، بلا عذر سنتوں کا ترک ایمانی شان کے منافی ہے، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حبیب اللہ بستوی غفرلہ۔ ۱۴۱۹/۲/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۳۱/۲-۳۳۵) ☆

(۱) ردالمحتار علی الدرا لمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ۳۱۸/۱، نعمانیة، دیوبند

(۲) تفسیر سورة البقرة: ۴۳۲ (تفسیر عزیزی، سورة البقرة: ۴۳۲)

(۳) فیعلم أن من ترک سنة، أی سنة فقد حرم خیرًا کثیرًا فکیف المواظبة علیٰ ترک سائرها فإن ذلک قد یؤدی إلیٰ الزندقة. (مرقات المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر: ۱۹۵/۱، دارالفکر / وکذا فی الکاشف عن حقائق السنن للطیبی، باب الوسوسة: ۵۸۲/۲، مکتبة البازمکة. انیس)

☆ اگر تکبیرات انتقالات چھوٹ جائیں، تو اس کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کا کیا حکم ہے اگر کسی وجہ سے کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

الجواب

تکبیر تحریمہ فرض ہے اور باقی تکبیرات انتقالات سنت ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما قال العلامة محمد یوسف البنوری: تکبیرات الانتقالات سنة عند الجمهور. قال ابن المنذر: وبه قال أبوبکر الصدیق وعمر وجابر وقیس بن عبادة رضی اللّٰہ عنهم، والشعبی و الأوزاعی وسعید بن عبد العزیز ومالک والشافعی وأبوحنیفة، إلخ. (معارف السنن، باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود: ۴۴۶/۲) (قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی: باب کون التکبیر سنة عند کل رفع وحفض عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یکبر فی کل حفض ورفع وقیام وقعود... (أی التکبیر) عام فی جمیع الانتقالات فی الصلوة. (إعلاء السنن، کتاب الصلاة، باب کون التکبیر سنة عند کل رفع وخفض: ۳/۳، رقم الحدیث: ۷۳۱، انیس) (فتاویٰ حقانیہ: ۹۷/۳)

سہواً بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں:

سوال: امام تیسری رکعت پر سہواً بیٹھ گیا، مگر لقمہ ملنے پر کھڑا ہو گیا، اس قیام کے وقت تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا کہ سجدہ سے اٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علما اس میں اختلاف کررہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال میں تکبیر کا تعدد منقول نہیں، اس لیے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہے کہ اختتام انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لیے دوسری تکبیر کہے، امید کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدۂ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے، اس لیے یہ انتقال اول وثانی میں فصل ہوگا اور دو انتقال مستقل ہوگئے، لہٰذا ہر انتقال کے لیے تکبیر مستقل ہوگی اور اگر جلسہ خفیفہ ہو جو موجب سجدۂ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا، لہٰذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لیے یہ دلیل معقول نہیں کہ پہلی تکبیر خلاف سنت ہے، اس لیے کہ جدید تکبیر بھی خلاف سنت ہوگی؛ کیوں کہ اس کی ابتداء سجدہ سے نہوض کی ابتدا سے نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۱-۴۲)

اگر بھول کر تیسری رکعت پر بیٹھ جائے اور فوراً لقمہ دیا جائے تو تکبیر کہہ کر کھڑا ہو:

سوال: کوئی امام بھول کر تیسری رکعت میں بیٹھ گیا، بعد میں مقتدی نے فوراً لقمہ دیا تو امام دوبارہ تکبیر کہہ کر کھڑا ہو، یا بلا تکبیر کھڑا ہو جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

کوئی صریح روایت فقہیہ اس میں نظر سے نہیں گذری؛ لیکن حدیث میں ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يكبر عند كل خفض ورفع". (۱)

اور شرح منیہ وغیرہ میں اس تکبیر کی یہ صورت لکھی ہے کہ حرکت انتقال کے ساتھ شروع ہو اور ختم حرکت پر ختم ہو۔

حيث قال: بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور وانتهائه عند انتهائه. (كبيرى: ۳۱۲) (۲)

(۱) سنن الترمذى، باب ماجاء فى فى التكبير عندالركوع (ح: ۲۵۳)/ مسند البزار، عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۶۰۹)/ سنن النسائى، باب التكبير عندالرفع من السجود (ح: ۱۱۴۲)/ مسند أبى يعلىٰ الموصلى، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۵۱۲۸) انيس)

(۲) كذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۰۲. انيس

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکت انتقال سے پہلے تکبیر ختم کر چکا ہوتو کھڑے ہونے کے وقت دوبارہ تکبیر کہنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/۲۷۴-۲۷۵)

مقتدی پر تکبیر کیوں ہے:

سوال: مقتدی پر قرأت نہیں ہے، تو تکبیر کیوں پڑھتے ہیں؟ (مستفتی: محمد عمر مالیگاؤں ۲۶/رمضان ۱۴۲۳ھ)

الجواب

اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہے، نیز قرآن میں قرأت کے وقت سننے کا حکم ہے اور خاموش رہنے کا۔ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا﴾ (۱) لیکن تکبیر کہنے سے نہیں روکا گیا ہے اور حدیث میں ہے:

"وإذا كبر الإمام فكبروا". (الحديث) (۲) **والله أعلم وعمله أتم**

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان: ۱/۱۱۲-۱۱۳)

رکوع میں تطبیق کی روایت:

سوال: مولوی ثناء اللہ اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفحہ: ۵۳، میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق (۳) کرتے تھے، دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے۔ لہٰذا یہ سنت صحیح ہے یا لغو؟

الجواب

یہ قصہ تطبیق فی الرکوع کا صحیح ہے، اس کی تاویل علما نے یہ فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا نسخ ان کو معلوم نہ ہوا ہو، یا ان کا مذہب تخییر کا ہو، **والتفصيل في الكتب.** (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۶۹-۱۷۰)

(۱) سورة الأعراف: ۲۰٤، انیس

(۲) عن أبي موسى الأشعري قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال: وإذا كبر الإمام فكبروا وإذا قال: ﴿غير المغضوب عليهم والضالين﴾ فقولوا: آمين، يجبكم الله. (الصحيح لابن خزيمة، باب ذكر إجابة الرب المؤمن عند فراغ قراءة الفاتحة الكتاب (ح: ۱۵۸٤) انيس)

(۳) قال الجوهري: التطبيق في الصلاة: جعل اليدين بين الفخذين في الركوع. (النظم المستعذب في تفسير غريب ألفاظ المهذب، ومن باب صفة الصلاة: ۸۰/۱، المكتبة التجارية مكة المكرمة. انيس)

(۴) عن أبي عبد الرحمن السلمي قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: إن الركب سنت لكم فخذوا بالركب، إلخ، والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم لا خلاف بينهم إلا ماروى عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه وبعض أصحابه أنهم كانوا يطبقون، والتطبيق منسوخ عند أهل العلم، قال سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه: كنا نفعل ذلك فنهينا عنه و أمرنا أن نضع الأكف على الركب. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في وضع اليدين على الركبتين في الركوع: ۳٥/۱، ظفير) ((ح:: ۲٥۸-۲٥۹) انيس)

حالت رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: ’’اِلصاق کعبین‘‘ رکوع کی حالت میں مسنون ہے یا نہیں اور ’’درمختار، باب السنن‘‘ میں جو روایت اور بحث اس کے متعلق ہے وہ روایت قابل عمل ہے یا نہیں؟

الجواب

اس پر عمل کرنا درست ہے، کیونکہ علامہ شامی کو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ سنت ہے یا نہیں؟ باقی جواز، بلکہ استحباب میں کچھ شبہ معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ سنت ہونا اس کا ثابت نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی ’’اِلصاق کعبین‘‘ نہ کرے تو اس پر کچھ ملامت نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۰-۲۰۱)

رکوع میں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یا نہیں:

سوال: رکوع میں دونوں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص اس پر عامل ہو تو اس کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

أقول وباللّٰه التوفيق:

شامی میں ہے:

”ويكره القيام علٰى أحد القدمين في الصلاة بلاعذر، وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع، هكذا روى عن أبي نصر الدبوسي أنه كان يفعله، كذا في الكبرٰى، وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الآخر، كذا في فتاوىٰ سمرقند، إلخ. (المجلد الأول: ۲۹۹)(۲)

اس روایت سے یہ امر معلوم ہوا کہ حالت قیام میں ہر دو قدم کے درمیان میں چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہئے اور یہ کہ ’’اِلصاق کعاب بالکعاب‘‘ کے معنی محاذات کے ہیں جو کہ احادیث **”سوّوا صفوفكم وتراصّوا وسدّدوا الخلل“** (۳) وغیرہ سے مستفاد ہے۔ پس جب کہ حالت قیام میں چار انگشت کا فاصلہ قدمین میں رکھنا چاہئے تو رکوع

(۱) ويسن أن يلصق كعبيه وينصب ساقيه (ويبسط ظهره) ويسوى ظهره بعجزه. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۴، ۴۶۱) (فروع قرأ بالفارسية أو التوراة والإنجيل، انيس)

اس جواب میں حالت رکوع میں الصاق کعبین کو مستحب فرمایا ہے اور آخر میں ’’فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر دعا‘‘ کے جواب میں ضمنی طور پر اسی قسم کا جواب ہے، مگر یہاں اس کے بعد والے جواب میں مفصل فتویٰ اس کے خلاف آ رہا ہے اور وہی تحقیقی جواب ہے، اس لئے اس جواب کو اور آخر والے ضمنی جواب کو مرجوع عنہ سمجھنا چاہئے۔ ظفیر الدین مفتاحی مرحوم

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، بحث القيام: ۱/۴۴۴، انيس

(۳) ان جملوں کے لئے دیکھئے! مشكوٰة، باب تسوية الصفوف. ظفير (عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم) ==

میں بھی اسی حالت پر رہنا چاہئے۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت الصاق، محاذات وتسویہ صف سے حاصل ہوجاتی ہے اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع اور سجود میں الصاق کعبین حقیقتاً متعذر رہے، یا بہت تکلف اور دقت سے ہوتا ہے، ایڑیوں کو تو ملایا جاسکتا ہے، مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں کے ملانے سے کعبین نہیں ملتے، البتہ محاذات کعبین پوری طرح اس میں حاصل ہوجاتی ہے اور یہی مقصود شارع علیہ السلام معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور اس کی زیادہ تحقیق اور تفصیل مع نقل عبارات مولانا میرک شاہ مدرس مدرسہ ہٰذا نے دوسرے پرچہ پر لکھی ہے، اس کو ملاحظہ کیا جائے۔ فقط (دیگر از مولانا میرک شاہ صاحب، مدرس دار العلوم)

الجواب

أقول وبالله التوفيق:

یہ مسئلہ الصاق کعبین کا؛ اگرچہ متاخرین حنفیہ کی کتب میں ہے؛ لیکن ائمہ مذہب اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ متقدمین کی کتب معتبرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کو سب سے پہلے زاہدی نے مجتبٰی میں ذکر کیا ہے، پھر اس سے قہستانی نے جامع الرموز اور شرح کیدانی میں اور حلبی نے شرح منیہ میں اور ابن نجیم نے بحر اور تمرتاشی (تلمیذ صاحب بحر) نے نہج القضا میں نقل کیا ہے اور چونکہ کسی قسم کی تردید بھی نقل نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو معمول بہ سمجھا گیا، چنانچہ صاحب بحر وصاحب درمختار نے صیغۂ جزم سے اسے نقل کیا ہے۔ ادھر سے بعض فقہا کے کلام سے اور توارث وتعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریج ہی سنت ہونا چاہئے۔ چنانچہ سعایہ میں مذکور ہے:

"ورأيت كلاماً للشيخ محمد حيات السندى يقضى إثبات سنية التفريج ونفى سنية الإلصاق، آه. (سعاية)(۱)

ان حالات کو دیکھ کر فقہاءِ متاخرین کی عبارت یا مؤول ہوگی یا مرجوع۔

== قال: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة. (الصحيح للبخارى، باب إقامة الصفوف من تمام الصلاة (ح: ۷۲۳)/ قال: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من تمام الصلاة. (الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف (ح: ۴۳۳)/ وقال: رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالأعناق فوالذى نفسى بيده إنى لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (سنن أبى داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ۶۶۷)/ وقال: أقيموا صفوفكم وتراصوا. (الصحيح للبخارى، باب إقبال الإمام على الناس (ح: ۷۱۹) وكذا فى مسند أبى داؤد الطيالسى، يزيدبن أبان عن أنس (ح: ۲۲۲۲)/ وعن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسطوا الإمام وسدوا الخلل. (سنن أبى داؤد، باب مقام الإمام من الصف (ح: ۶۸۱) انيس)

(۱) السعاية فى كشف مافى شرح الوقاية،

طوالع الانوار شرح درمختار میں شیخ محمد عابدؒ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے الصاق کعبین سے محاذات کعبین مراد لی ہےاوراس میں علامہ رحمتی کے قول سے استیناس بھی کرلیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قوله: وإلصاق كعبيه أى حالة الركوع،قال الشيخ رحمتى:مع بقاء تفريج مابين القدمين، قلت:لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلک بأن يحاذى كل من كعبيه لأخرفلايتقدم أحدهما على الأخر". (طوالع الأنوار)(۱)

یہ تو متاخرین کے اس قول کی تاویل کی صورت ہے جو طوالع الانوار شرح درمختار میں مذکور ہے اور جن فقہا نے اس کی تاویل کا ارادہ نہیں کیا ہے، وہ اس کو قول مرجوح اور زاہدی کے اوہام میں درج کرتے ہیں۔

كما فى السعاية نقلاً عن تعليق الشيخ أبى الحسن السندى على الدر المختار ،هٰذه السنة إنما ذكرهامن المتأخرين تبعاً للمجتبٰى وليس لها ذكرفى الكتب المتقدمة ولم يرد فى السنة علٰى ما وقفناعليه وكان بعض مشائخنا يرىٰ أنه من أوهام صاحب المجتبٰى وكأنهم توهموا مما روى أن الصحابةرضى اللّٰه تعالٰى عنه كانوايهتمون بسد الخلل فى الصفوف حتٰى يضمون الكعاب والمناكب ولايخفى أن المراد هٰهنا إلصاق كل كعب بكعب صاحبه لا كعبه مع الكعب الأخر، آهـ. (سعاية)(۲)

خلاصہ یہ کہ دونوں ٹخنوں کو رکوع میں بالکل ملادینا، جیسے کہ مجتبٰی اور اس کے اتباع کی کتب میں واقع ہوا ہے، اپنے ظاہر مفہوم پر محمول نہیں اور اگر ظاہر مفہوم پر ہی محمول ہو تو صاحب مجتبٰی کے اوہام میں سے ہوگا؛ لیکن سعایہ میں شق اول کو اختیار کیا ہے اور رکوع میں الزاق کعب بکعب کی سنیت کی نفی کو دلائل عدیدہ سے ثابت کیا ہے۔ **فليراجع فقط**

کتبہ میرک شاہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۲-۲۰۴) ☆

(۱) طوالع الأنوار شرح الدرالمختار
(۲) السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية
☆ ***رکوع میں الصاق رِجلین سنت ہے یا نہیں:***

سوال : باسمه تعالٰى؛ أيها العلماء العاملون والفضلاء الكاملون ماتقولون فى إلصاق رِجل كعبيه فى الركوع والسجود؟ أيعدّ هومن سنن الصّلٰوة أم لا؟ وبأى حديث صحيح ثابت هو،و من القائل به من الأئمة المعتبرين،وكثيرمن علماءِ هٰذاالزمان ينكرون سنية ذلک ومنهم صاحب السعاية وغيره.بينو ابالتحقيق وتوجروا على اليقين ونحن نريد أن نطبع فتويكم.

الجواب

لم نجد حديثًا صريحًا فى سنية هذا الإلصاق فى الركوع والسجود ولم يذكره من فقهائنا إلا صاحب الدر وشارح المنية ومن تبعهما وهم قليل ولم يتعرض له القدورى ولاصاحب الكنز ==

رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: ”إلصاق الكعبين فى الركوع والسجود سنة أم لا“؟
شامی کی روایت پر اکتفا کر کے عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں کسی نے اس قسم کا سوال کیا، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے کہا:
”شامی کی روایت پر عمل کرنا درست ہے، ہاں! اگر کوئی شخص نہ مانے تو اس پر ملامت نہیں کی جائے گی“؛(۱) لیکن مفتی صاحب کے عمل اور عدم عمل کی جانب میں سے کسی کو ترجیح نہ دینے کی وجہ سے اس مسئلہ نے معرکۃ الاراء صورت اختیار کر لی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مدت میں آپ کی تحقیق میں کوئی نئی بات آئی ہے یا نہیں؟ سعایہ میں ہے کہ إلصاق الكعبين فى الركوع والسجود مناسب ہے،(۲) کیا شامی معتبر کتابوں میں سے نہیں ہے؟ صاحب سعایہ کا کیا مطلب ہے؟ نیز کتب فقہیہ میں سعایہ کا درجہ کیا ہے؟ (مولانا عبدالحق صاحب، دارالعلوم بانسکنڈی، کچھاڑ، آسام)

== والوقاية وغيرهم من أصحاب المتون المعتبرة الناقلين لظاهر الرواية وفى ترجيح الراجح لشيخنا وقال العلامة عبدالحيى اللكهنوى فى السعاية: إن قدوة القائلين بسنية الإلصاق من الحنفية هو الزاهدى وهو وإن كان إمامًا جليلاً فى الفقة لكنه مشهور بنقل الروايات الضعيفة، صرح به ابن عابدين فى تنقيح الفتاوىٰ الحامدية. وفى الفوائد البهية: أنه كان معتزلى العقائد حنفى الفروع. (النور، ص: ١٦، متعلق شعبان ١٣٤٢هـ)

وكلام الطحاوى فى معانى الآثار يفيد أن الإلصاق ليس مشروعاً فى شيء من الأعضاء فى الركوع ولا فى السجود (للرجال) بل المشروع عكسه أى التجافى بينهما. قال الطحاوى فى بحث التطبيق ثم التمسنا حكم ذلك من طريق النظر كيف هو فرأينا التطبيق فيه التقاء اليدين ورأينا وضع اليدين على الركبتين فيه تفريقهما فأردنا أن ننظر فى حكم إشكال ذلك فى الصلاة كيف هو فرأينا السنة جاء ت عن النبى صلى الله عليه وسلم بالتجافى فى الركوع والسجود وأجمع المسلمون علىٰ ذلك فكان ذلك من تفريق الأعضاء وكمن قال فى الصلوٰة أمر أن يراوح بين قدميه وقد روى ذلك عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه وهو الذى روى التطبيق، فلما رأينا تفريق الأعضاء فى هذا بعضها من بعض أولىٰ من الإلصاق بعضها ببعض واختلفوا فى إلصاقها وتفريقها فى الركوع كان النظر علىٰ ذلك أن يكون ما اختلفوا فيه ذلك معطوفًا علىٰ ما جمعوا عليه منه فيكون كما كان التفريق فيما ذكرنا أفضل يكون فى سائر الأعضاء كذلك. آه. (١/١٣٥-١٣٦)

وبعد ذلك فلا حاجة إلىٰ إقامة الدليل علىٰ سنية هذا الإلصاق إذا ثبت ضعف نقله فى المذهب ونص الطحاوى علىٰ سنية التجافى بين الأعضاء فى الركوع والسجود جميعًا. والله تعالىٰ أعلم (امدادالاحکام: ۲/۹۱-۹۲)

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، فصل ثالث سنن وکیفیت نماز: ۲/۲۰۰، امدادیہ، ملتان

(۲) السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: ٢/١٨٠-١٨١، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، سہیل اکیڈمی لاہور

الجو اب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

اس سے پہلے بھی اس مسئلہ پر آپ کے اطراف میں بہت بحث ہو چکی ہے، اہل علم حضرات نے زور قلم صرف کیا ہے، احقر کے خیال میں یہ اتنا اہم نہیں کہ اس طرح اس پر مناظرہ ومجادلہ کیا جائے۔

الصاق کعبین کی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں: محاذاۃ، والزاق، (۱) اول تو قیام، رکوع وسجود سب ہی جگہ ہے، ثانی کو بعض نے رکوع کی سنت قرار دیا ہے، بعض نے سجود میں بھی مانا ہے اور قیام میں چار انگل کا فصل مسنون ہے جو کہ معنی ثانی کے منافی ہے:

"وتفريج القدمين فى القيام قدر أربع أصابع آهـ". (نور الإيضاح)(۲)

"ويسن أن يلصق كعبيه وينصب ساقيه آهـ". (الدر المختار)(۳)

"قال السيد أبو السعود: وكذا فى السجود أيضاً. وسبق فى السنن أيضاً، آهـ والذى سبق هو قوله: وإلصاق كعبيه فى السجود سنة". (الدر المختار)

"ولايخفى أن هذا سبق نظر، فإن شارحنا لم يذكر لا فى الدر المختار ولا فى الدر المنتقىٰ، ولم أره لغيره أيضًا. فافهم

نعم ربما يفهم ذلك من أنه إذا كان السنة فى الركوع إلصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهما بعده، فالأصل بقاء هما ملصقين فى حالة السجود أيضاً تأمل، آهـ". (رد المحتار)(۴)

سعایہ میں اس کا التزام نہیں کہ قول راجح ہی کو نقل کیا جائے، اس کا بھی اہتمام نہیں کہ اقوال مختلفہ کو نقل کر کے قول راجح کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ وہ فتوے کی کتاب نہیں۔ شرح وقایہ کی شرح شروع کی تھی، مگر اس میں بسط بہت کیا گیا، قدر قلیل کی شرح ہو سکی، تمام نہیں ہوئی، یہ بھی ممکن ہے کہ نظر چوک گئی ہو۔

صاحب سعایہ میں بعض جگہ شان اجتہاد بھی معلوم ہوتی ہے، حتی کہ فقہ کے متون مسلمہ کے خلاف بھی اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھ جاتے ہیں، چنانچہ ان کا ایک رسالہ ہے، جس میں جماعۃ النسا کے لئے ثبوت فراہم کیا ہے، جو کہ مسلک امام

---

(۱) والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزم المصلى أحد كعبيه بالأخر ولايفرج بينهما كما هو ظاهر عبارات الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتى أبى سعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح... وإن كان المراد به محاذاة أحدى الكعبين بالأخر كما أبد العلامة السندى، فهو أمر حق ولا بعد فى حمل الإلصاق على المحاذة، فإنه جاء استعماله فى القرب، آهـ. (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۲۱/۲، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۲) نور الإيضاح مع شرحه مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فى بيان سننها، ص: ۲٦۲، قديمى

(۳-۴) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ٤۹۳/۱، سعيد

اعظم کے خلاف ہے، (۱) نصاب زکوۃ صدقۃ الفطر کے متعلق بھی ان کی رائے دیگر اکابر کے خلاف ہے، جس کی تغلیط کی گئی ہے، (۲) اسی طرح صدقۃ الفطر کے متعلق حضرت کی رائے ہے، (۳) حواشی لامع الدراری وغیرہ شروح حدیث میں کسی قول کا نقل کرنا فتوے کے لئے نہیں ہوتا، کبھی غرابت کے لئے بھی نقل کیا جاتا ہے اور بھی وجوہ نقل ہوئی ہیں۔ اسلم طریقہ احقر کے خیال میں وہ ہے، جو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۶/۵-۶۲۸) ☆

---

(۱) رسالة مستقبلة، مسماة "تحفة النبلاء في جماعة النساء" من مجموعة رسائل اللكنوى ج: ٥، إرادة القرآن

(۲) إعلم أن الوزن المعروف في بلادنا ماهجة وتولجة هو الذى يقال له: توله إثناعشرة ماهجة، وهو الذى يقال له: ماشة و الماهجة يكون ثمانية أجزاء، كل جزء منها يسمى بالفارسية سرخ، ويقال بالهندية: رتى، ونسميه بالأحمر، وهذا الجزء يكون بقدر أربع شعيرات، فيكون المثقال الذى هو مائة شعيرة خمسة وعشرين جزء الأحمر، وهو ثلث ماهجة و أحمر واحد، فيكون نصاب الذهب وهو عشرون مثقالاً مقدار خمس تولجة واثنتين ونصف ماهجة كما يعلم من ضرب ثلاث ماهجة، وأحمر في عشرين، هذا في الذهب. وأما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، وكل درهم أربعة عشر قيراطاً يعنى سبعين شعيرةً، فتحصل في درهم سبعة عشر ونصف أحمر وهو ماهجتان وواحد ونصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتى درهم ستاً وثلثين تولجة ونصف ماهجة". (۲۲۹/۱، سعيد)

(۳) "(قوله: بثمانية أرطال من الحنطة، اهـ) الرطل عشرون أستاراً، والأستار كما سيذكره الشارح أربعة مثاقيل ونصف مثقال، والمثقال درهم وثلثة أسباع درهم، والدرهم أربعة عشر قيراطاً، والقيراط خمس شعيرات، فيكون الدرهم سبعين شعيرًا، ويكون المثقال مائة شعير أى عشرين قيراطاً، ويكون الأستار ستة دراهم وثلثة أسباع درهم: أى أربع مائة وخمسين شعيرًا، ويكون الرطل تسعين مثقالاً: أى مائة وثمانية وعشرين درهم ونصف درهم ونصف سبع درهم. ويكون المن وهو رطلان مائة وثمانين مثقالاً: أى مائتين وسبعة وخمسين درهماً وسبع درهم ويكون الصاع سبعمائة وعشرين مثقالاً أى: ألفاً وثمانية وعشرين درهماً ونصف درهم ونصف سبع درهم، هذا على ما اختاره الشارح وذكر صاحب مجمع البحرين في شرحه أن الصاع أربعة أمناء والمن رطلان والرطل عشرون أستارًا والأستار ستة دراهم ونصف درهم والدرهم أربعة عشر قيراطًا والقيراط خمس شعيرات، فيكون الصاع بوزن الرطل ثمانية أرطال، وبوزن الأستار مائة وستين أستارًا، وبوزن الدراهم ألفًا وأربعين درهماً. وهذا هو الذى اختاره في الدر المختار وغيره". (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر: ۲۳۹/۱، سعيد)

☆ رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: صورت الصاق کعبین (بوقت رکوع) وحکمش چیست؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصليًا

"(وسننها)... (تكبير الركوع والرفع منه) بحيث يستوى قائماً (والتسبيح فيه ثلاثاً) (وإلصاق كعبيه، آهـ". (الدر المختار) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، سنن الصلاة: ۱۷۰/۲، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس) ==

ایضاً:

سوال: الصاق کعبین حالت رکوع میں سنت ہے یا نہیں؟ مع دلائل تحریر فرمائیں؟ سعایہ، ص:۱۸۰، میں عدم سنت کی دلیل نقل کی گئی ہے،(۱) اس کے رد میں اگر دلائل ہوں تو تحریر فرمائیں؟

الجو ابــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

حالت رکوع میں الصاق کعبین کا مسئلہ فقہ کے متون متقدمہ میں موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر الروایہ کا مسئلہ نہیں، اس لئے کہ جو متون ظاہر الروایۃ سے لئے گئے ہیں، وہ بھی اس سے خالی ہیں، بعض شروح میں البتہ اس کو سنت رکوع قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہاں الصاق حقیقی مراد نہیں، بلکہ حکمی مراد ہے، جیسے: "**مررت بزيد: أي بمكان يقرب منه زيد**" غالبًا اس لئے لفظ "**يضم**" نہیں فرمایا گیا ہے، جیسے حالت سجود میں انگلیوں کے متعلق کہا گیا ہے "**ويضمها كل الضم**"۔ نیز اگر الصاق کعبین حقیقۃً کو سنت کہا جائے تو تمام قدم کا قدم سے الصاق ہونا چاہئے

== قال الطحطاوی: "(قوله: إلصاق كعبيه) حالة الركوع، هذا إن تيسر له وإلا فكيف يتيسر له على الظاهر، آهـ". (ص: ۲۱۳) (حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲۱۳/۱، دار المعرفة، بيروت)

"قلت: لعله أراد من الإلصادق المحاذاة، وذلک بأن يحاذی كل من كعبيه الآخر، فلايتقدم أحدهما على الأخر. وظاهر لفظ الشارح يقتضی اللصوق ونفی التفريج، ولذا قال السيد أحمد هذا: أی إلصاق كعبيه إن تيسر له". (السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية، كتاب الصلاة، تتمة من السنن التی تسن فی الركوع: ۱۸۰/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

از یں عبارت واضح شد کہ اگر آسان شود بحالت رکوع الصاق کعبین مسنون است، ولیکن بعض محققین انکار سنیتش نمودہ اند۔ ("قلت: لقد دارت هذا المسئلة فی سنة أربع وثمانين بعد الألف والمأتين بين علماء عصرنا، فأجاب أكثرهم بأن الصاق الكعبين فی الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثرله فی الكتب المعتبرة، والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزم المصلی أحد كعبيه بالأخر ولايفرج بينهما كما هو ظاهر عبارت الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتی أبی سعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح... وإن كان المراد به محاذاة أحد الكعبين بالأخر كما أبد العلامة السندی، فهو أمر حق و لا بعد فی حمل الإلصاق على المحاذة، فإنه جاء استعماله فی القرب". (السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية: ۱۸۰/۲-۱۸۱، كتاب الصلاة، تتمة من السنن التی تسن فی الركوع، سهيل اكيڈمی) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور-۱۳/۳/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف-۶/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ- (فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۵/۵)

(۱) السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۸۰/۲-۱۸۱، سهيل اكيڈمی، لاهور

اور دوسرے کے مائل جنوب، حالانکہ فقہا انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے کی تاکید فرماتے ہیں حتی کہ حالت سجود اور حالت قعود میں بھی تاکید ہے اگر چہ اس میں دشواری ہوتی ہے، اگر قبلہ رخ کیا گیا الصاق کے ساتھ ہی تو محض کعبین کا الصاق نہیں ہوگا، بلکہ قدمین کا الصاق ہوگا، پھر الصاق کعبین سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ نیز رکوع میں نماز کا نصف اول بحکم قیام رکھتا ہے اور حالت قیام میں قدمین کے درمیان اربع اصابع کا فاصلہ کتب فقہ میں مذکور ہے اور الصاق کعبین اس کے منافی ہے، کیونکہ اس قیام میں قدمین کا لفظ کعبین پر بھی مشتمل ہے۔ بعض روایات حدیث میں الصاق کعبین کا تذکرہ ہے تو وہ درحقیقت تسویۂ صفوف کے لئے ہے اور تائید میں "**حاذوا المناکب**" اور "**سووا**" وغیرہ الفاظ مذکورہ ہیں، (۱) یعنی صفیں سیدھی رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ کعبین محاذی رہیں اور ایک کا منکب دوسرے کے منکب سے مل جائے۔ کتب فقہ: فتح القدیر، بدائع، البحر، زیلعی، طحاوی، شامی، عالمگیری، خانیہ وغیرہ اور شروح احادیث بذل المجہود، منہل، معالم السنن وغیرہ سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) **واللّٰہ تعالٰی أعلم بحقیقة الحال وإلیه الرجوع فی المبدأ والمآل.**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ یکم شعبان/ ۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۹/۵-۶۳۰) ☆

(۱)　وعن أبی أمامة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إن اللّٰہ وملائکته یصلون علی الصف الأول ... وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: "سووا صفوفکم، وحاذوا بین منا کبکم ولینوا فی أیدی إخوانکم وسدوا الخلل إلخ". (مشکوة المصابیح، کتاب الصلاة، باب تسویة الصف، الفصل الثالث: ۹۸/۱، قدیمی، (ح: ۱۱۰۱)/ سنن ابن ماجة، باب فضل الصف المتقدم (ح: ۹۹۷)/ سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ۶۶۶) انیس)

(۲)　"وینبغی للقوم إذا قاموا إلی الصلاة أن یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبهم فی الصفوف". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث فی الصلاة: ۳۵۰/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

☆　رکوع وسجدہ میں الصاق کعبین:

سوال:　الصاق کعبین در رکوع وسجود سنت است یا چہ۔ آیا الصاق قدمین خود مراد است یا الصاق کعب بکعب غیر مراد است؟ (خلاصۂ سوال: رکوع وسجدے میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے یا کیا ہے۔ اور کیا خاص دونوں قدموں کو ملانا مراد ہے یا ٹخنے کا دوسرے کے ٹخنے سے ملانا مراد ہے؟ انیس)

الجواب

فی الدر المختار: ویسن أن یلصق کعبیه، قال فی الشامی: قال السید أبو السعود: وکذا فی السجود أیضاً، إلخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ۴۶۱/۱، ظفیر)

پس ظاہر این است کہ کعبین خود را باہم ملصق کند و ممکن است کہ مراد محاذات کعبین باشد و از ارجاع ضمیر در کعبیہ بسوی مصلی احتمال ثالث ساقط شد یعنی ضم کعب خود بکعب غیر مراد نخواہد شد۔ فقط (خلاصۂ جواب: درمختار میں ہے کہ "سنت یہ ہے کہ نمازی رکوع میں اپنے دونوں ٹخنوں کو ملالے"۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ "سید ابو سعودؒ نے فرمایا ہے کہ "اسی طرح سجدے میں بھی ملالے"۔　==

رکوع اور سجدہ میں الصاقِ کعبین کی بحث:

الصاقِ کعبین رکوع وسجود میں جیسا درمختار میں ہے، کسی کتاب حدیث سے اس کا نشان معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ اس کی سنیت حیز خفا میں ہے، لہٰذا متروک ہے۔ بعض پہلے علما کو بھی اس میں تکرار ہوا ہے، بخاری (۱) کا الصاق کعاب باہم مقتدیوں کا مراد ہے، (۲) اور اس سے محاذات مقصود ہے اور اتصال وتراص صفوف اور یہاں وہ بظاہر مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اگر سجود (۳) میں اِلصاق کعبین کیا جاوے تو **توجه أصابع رجلين إلى القبلة** نہیں ہوسکتا، مگر ہاں! جس کا سارا پنجہ پاؤں کا مساوی اور سب انگشت پا برابر مساوی ہوویں، تو مضائقہ نہیں اور ایسا پا[ؤں] تو کہیں شاذ ونادر ہوتا ہے، تو اب حقیقی معنی الصاق میں **توجه أصابع إلى القبلة** فوت ہوتی ہے، تو بظاہر یہ مراد نہیں، اگر محاذات (۴) پر حمل کیا جاوے تو رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہے، یہ قیام کی سنت ہونی چاہئے، مگر یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ شامی سجدہ کی بحث میں کہتا ہے:

قد منا أنه ربما يفهم منه أن السجود كذلك ،إذ لم يذكروا تفريجها بعد الركوع فالأصل بقاؤهما هنا كذلك،إلخ. (۵)

== پس ظاہر یہ ہے کہ اپنے دونوں ٹخنوں کو باہم ملائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد دونوں ٹخنوں کی محاذات ہو، اور لفظ ''کعبیہ'' میں ضمیر کو نمازی کی طرف لوٹانے سے تیسرا احتمال ساقط ہوگیا، یعنی اپنا ٹخنا دوسرے کے ٹخنے سے ملانا مراد نہیں ہوگا۔ فقط۔ انیس) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۳۶-۳۳۷)

(۱) **قال النعمان بن بشير، رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه. صحيح البخاري: ۱/ ۱۰۰، كتاب الصلاة، باب الزاقِ المنكب.** [مرادآباد: ۱۴۱۵ھ۔ نیز ج: ۱ **رقم الحديث: ۷۲۵ [الرياض الحديثة، ۱٤۰٤ آھ**]

(۲) یہ سوال مقدر کا جواب ہے، بخاری شریف میں ٹخنے ملانے کا تذکرہ ہے (**صحيح الخاري، كتاب الصلاة، باب الزاق المنكب**) حضرت نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مقتدیوں کا ٹخنے ملانا بھی صفیں سیدھی کرنے کے لئے تھا، یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے باہم ٹخنے ملا کر محاذات کرلیں، پھر ڈھنگ سے کھڑے ہوکر نماز شروع کریں اور اگر صفیں سیدھی کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہو، مثلاً صف کی لکیر بنی ہوئی ہو یا صف بچھی ہوئی ہو، تو اس کے ذریعہ بھی صف سیدھی کی جاسکتی ہے، اس وقت ٹخنے ملا کر صف سیدھی کرنے کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں کچا فرش تھا، کوئی نشان نہیں تھا، اس لئے صحابہ ٹخنے ملا کر صف سیدھی کیا کرتے تھے، غیر مقلدین نے اس کو حالت قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ سمجھ لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ (پالن پوری)

(۳) یہ ایک دوسرے سوال مقدر کا جواب ہے، کہ اگر درمختار کے قول سے سجدہ میں ٹخنوں کو ملانا مراد لیا جائے تو کیا حرج، شاذ ونادر ہی کسی کے پاؤں کا پنجہ مساوی ہوتا ہے اور سب انگلیاں برابر ہوتی ہے اور حقیقی الصاق کی صورت میں عام لوگوں کی پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی، اس لئے بظاہر یہ بھی مراد نہیں۔ (پالن پوری)

(۴) یہ ایک اور سوال مقدر کا جواب ہے کہ بخاری میں ٹخنے ملانے کا جو مقصد محاذات ہے، درمختار کی روایت میں وہ کیوں نہ مراد لیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ پھر رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہوگی، بلکہ یہ قیام کی سنت ہوگی مگر یہ معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ شامی نے صراحت کی ہے کہ سجدے رکوع کی طرح ہیں، پس اگر رکوع میں ٹخنے ملائے گئے، تو وہ سجدوں میں بھی ملے رہیں گے۔ (پالن پوری)

(۵) شامی (نسخہ ہندیہ) ص: ۳۳۹، ج: ۱۔ **باب اطالة الركوع للجائي** (مطبع مجتبائی دہلی: ۱۲۸۷ھ) ==

ترجمہ: اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں، کبھی کبھی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ سجدے بھی اس طرح ہیں، کیوں کہ ان دونوں کو رکوع کے بعد، کھولنے کا ذکر نہیں، تو اصل ان کا یہاں اس طرح باقی رہنا ہے۔

سوتفریج (۱) کے مخالف الصاق مراد رکھتے ہیں اور وہ معنی حقیقی کے مراد ہونے پر دال ہے اور اس الصاق کی کہیں سند نہیں ملی، پہلے بھی تحقیق کیا تھا۔ فقط

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمدؒ مکتوب نمبر۳۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۱-۱۷۲) ☆

== نیز شامی (رد المحتار) ص: ۵۰۴، ج: ۱- باب اطالة الركوع. (مطبوعہ دار الفکر بیروت: ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۱) یہ بحث کا خلاصہ ہے کہ جو لوگ الصاق کعبین کے قائل ہیں اور تفریج (کشادہ رکھنے) کے مخالف ہیں، وہ الصاق کے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، صرف محاذات مراد نہیں لیتے اور الصاق حقیقی کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ طحاوی باب التطبيق في الركوع میں تفریق کے افضل ہونے کی صراحت ہے۔ (پالن پوری)

☆ رکوع میں ٹخنے ملانا:

سوال: درمختار میں ہے کہ رکوع میں مردوں کو ٹخنے ملالینا مسنون ہے، شامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصّواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا، اسی وقت قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لیے کہ یہ کلیات ذیل کے خلاف ہے:

(۱) مردوں کے لیے رکوع و سجود میں تجافی۔

(۲) پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رہنا، الصاق کعبین سے انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہ سکتیں۔

(۳) نماز میں بلاضرورت حرکت نہ کرنا۔

مندرجہ بالا کلیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور بالاتفاق مسلم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں:

فرأينا السنّة جاءت عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم بالتجافي في الركوع والسجود وأجمع المسلمون علىٰ ذلك فكان ذٰلك من تفريق الأعضاء. (شرح معاني الآثار: ۱/۱۱۳)

کلیات مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاق کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے، اور نہ جمہور فقہا نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اس لیے بندہ شروع ہی سے قولاً وعملاً اس کے خلاف رہا ہے، مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں بحوالہ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل ومفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

"ومنها إلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين وجمهور الفقهاء لم يذكروه ولا أثر له في الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النّهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القدير وغيرها و الكنز وشرحه للعيني وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندي والشمني وفتاوى قاضيخان و البزازية وغيرها ==

== وإمام الدين أورد كما ذكره الزاهدى حيث قال فى المجتبٰى برمزبط يسن فى الركوع إلصاق الكعبين واستقبال الأصابع القبلة ونقله عنه القهستانى فى جامع الرموزوفى شرح الخلاصة الكيدانية والحلبى فى الغنية وابن نجيم فى البحروتلميذه التمرتاشى فى منح الغفاروأقروه وذكره صاحب النهروصاحب الدرالمختارعلٰى سبيل الجزم لكن لم يبين واحد منهم المراد من إلصاق الكعبين وقال خيرالمتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندى المدنى فى طوالع الأنوارشرح الدرالمختار:(قوله وإلصاق كعبيه)أى حالة الركوع،قال الشيخ الرحمتى مع بقاء تفريج ما بين القدمين،قلت:لعلّه أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذى كل من كعبيه لأخرفلايتقدم أحدهما على الأخروظاهرلفظ الشارح يقتضى اللصوق و نفى التفريج ولذا قال السيّد أحمد هٰذا أى إلصاق كعبيه إن تيسّرله ورأيت كلاماً للشيخ محمّد حيات السّندى يقتضى إثبات سنية التفريج ونفى سنية الإلصاق انتهٰى كلامه،وقال أيضاً فى موضع اٰخرمن الطوالع يسنّ فى حال الركوع كما فى المجتبى وزاد أبو السعود فى السجود أيضاً أن يلصق كعبيه قال الشيخ أبوالحسن السندى فى تعليقه على الدرالمختارهٰذه السنّة إنما ذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعًا للمجتبى وليس لها ذكرفى الكتب المتقدمة ولم يرد فى السّنة علٰى ماوقفنا عليه وكان بعض مشايخنا يرى أنه من أوهام صاحب المجتبى وكأنهم توهموا ممّا ورد أنّ الصحابة كانوا يهتمون بسدّ الخلل فى الصفوف حتٰى يضمون الكعاب و المناكب ولا يخفى أنّ المراد هٰهنا الصاق كل كعب كعب صاحبه لا كعبه من الكعب الاٰخر، انتهٰى كلام الشيخ.

قلت:لقد دارت هٰذه المسئلة فى سنة أربع وثمانين فى الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثرله فى الكتب المعتبرة والقول الفيصل أن يقال إن كان المراد بالصاق الكعبين أن يلزق المصلّى إحدى كعبيه بالأخر ولا يفرج بينهما كما هوظاهرعبارة الدّرالمختاروانهروغيرهما و سبق إليه فهم المفتى أبى السعود أيضاً فليس هومن السنن على الأصح كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أنّ الأولى للمصلّى أن يجعل بين قدميه نحوأربعة أصابع ولم يذكروا أنه يلزقهما فى حالة الركوع أوالسجود وقال العينى فى البناية نقلاً عن الواقعات ينبغى أن يكون بين قدمى المصلّى قدرأربع أصابع اليد لأنّه أقرب إلى الخشوع والمراد من قوله عليه الصلاة والسّلام الصقوا الكعاب بالكعاب اجتماعهما،انتهٰى،فهٰذا صريح فى أنّ المسنون هوالتفريج مطلقًا والا لقيده بحالة القيام وأنّ المراد بالصاق الكعب بالكعب الوارد فى الخبرخير الزادقهما ويؤيده ما أخرجه أبوداؤد وصححه ابن خزيمة وذكره البخارى تعليقًا عن النعمان بن بشيرقال رأيت الرجل منا يلزم كعبيه بكعب صاحبه وفى رد المحتارنقلاً عن فتاوٰى سمرقند ينبغى أن يكون بين القدمين مقدارأربع أصابع وماروى أنهم الصقواالكعاب أريدبه الجماعة انهتٰى،وإن كان المراد به محاذاة إحدى الكعبين بالاٰخركما أبدع العلاّمة السندى فهوأمرحق ولا بعد فى حمل الالصاق على المحاذاة فإنّه جاء استعماله فى القرب ويؤيّد عدم سنية الزاق الكعبين بالمنعى الأوّل أى ترك التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريك إحدى الكعبين إلى الأخرٰى وتحريك عضوفى الصلوٰة من غير ضرورة ليس بجائزعندهم حتٰى إن منهم من لم يجوزرفع اليدين عند الركوع لهٰذه العلّة والظاهرإن حمل كلامهم على المعنى الثانى أولٰى من جمله على المعنى الأوّل علٰى أنّه من أوهام صاحب المجتبى فاحفظ هذاالتحقيق فإنّه من النفائس المختصة بهٰذاالكتاب وقل من تبّه عليه من العلماء إلامن شاء اللّٰه أن يتنبّه.(السعاية: ۱۸۲/۲) ==

بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو رکوع کس طرح کیا جائے:

سوال: اگر نشستہ نماز می خواند بحالت رکوع برداشتن سرین ضرور است یا نہ؟(۱)

الجواب

ضروری نیست۔(۲)

قال فی رد المحتار: ولو كان يصلي قاعدًا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع، آه.

قلت: ولعله محمول على تمام الركوع وإلاّ فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس مع انحناء الظهر، إلخ. (شامی) (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۱-۱۵۲)

==　امدادالفتاویٰ کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے:

ونسبت زاہدی در نافع کبیر وفوائد بہیمیہ نوشتہ اند:

وإن كان إماماً جليلاً في الفقه لكنّه متساهل في نقل الروايات وأيضًاهو معتزلي الاعتقاد وحنفي الفروع قال صاحب ردالمحتارفي تنقيح الفتاوى الحامدية في كتاب الإجارة الحاوي الزاهدي مشهوربنقل الروايات الضعيفة، ولهٰذا قال ابن وهبان وغيره أنه لاعبرة بما يقوله الزاهدي مخالفا لغيره. (امدادالفتاویٰ: ۱/۱۴۹)

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاہدی کے تخطئہ کی بہ نسبت ان کے قول کی تاویل بہت رہے، مجتبیٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصابع القبلہ کا ذکر بین دلیل ہے کہ الصاق میں محاذاۃ اس لیے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہوسکتیں۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاۃ تو حالت قیام میں بھی مسنون ہے، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا؟

اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالت قیام مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حالت رکوع میں پاؤں پر نظر پڑتی ہے، اس لیے اس سنت کی تکمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے۔

ان توجیہات کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصابع القبلہ کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کعبین میں محاذاۃ کی بھی کرلی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶/رمضان ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۷-۴۰)

(۱)　خلاصۂ سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے پر رکوع کی حالت میں سرین اٹھانا ضروری ہے یا نہیں؟ انیس

(۲)　ضروری نہیں ہے۔ انیس

(۳)　رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود: ۱/۴۱٦، ظفير

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع کس طرح کیا جائے:

سوال: اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کرنے کی کیا حد ہے؟

الجواب

وقال الشامی:"ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع آه .قلت:ولعله محمول علیٰ تمام الرکوع وإلافقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر". (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کمال رکوع یہ ہے کہ پیشانی رکبتین کے مقابل ہوجاوے۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۴) ☆

رکوع وسجدہ کتنا طویل ہو:

سوال: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رکوع وسجدہ دیر تک کرنا ثابت ہے؟ کیا آج کل امام صاحب اس کا اتباع کر سکتے ہیں یا صرف منفرد کو جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیًا

اگر مقتدیوں میں تحمل نہ ہو تو امام کو تین یا پانچ بار تسبیح پر قناعت کرنا چاہئے۔(۲)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۱۳۸۸/۳/۲۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۰۹)

---

(۱) **رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع والسجود: ۱/٤١٦،ظفیر**

☆ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں ہیئت رکوع کیا ہو:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے سے رکوع کی حالت میں سرین کو ایڑی سے اوپر اٹھانا چاہئے یا نہیں یا سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے؟

الجواب

سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے اور کمال رکوع کا ایسی حالت میں یعنی بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے میں یہ ہے کہ رکوع میں پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہوجاوے، لیکن اگر تھوڑا سا بھی سر کو جھکا دیوے گا کمر کی انحنا کے ساتھ تو یہ بھی کافی ہے۔

شامی میں برجندی سے منقول ہے:

"ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع اهـ.قلت:ولعله محمول علیٰ تمام الرکوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع والسجود : ۱/٤١٦،ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۸)

(۲) **فالأدنیٰ فیهما ثلاث مرات،والأوسط خمس مرات،والأکمل سبع مرات،کذا فی الزاد.وإن کا ن إماماً لایزید علی وجه یمل القوم،کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الثالث فی سنن الصلوة،وآدابها وکیفیتها: ۱/۷۵،رشیدیه)**

تسبیحات رکوع وسجود کی تعداد:

سوال: نماز میں تسبیحات رکوع وسجود، دس مرتبہ اور تین مرتبہ سے زیادہ کہنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا مستحسن؟ قومہ میں "**ربنا لک الحمد**" کہنا" **سمع اللہ لمن حمدہ**" کے بعد مستحسن ہے یانہیں؟ جلسہ میں "**رب اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی**" کہنا مستحسن ہے یانہیں؟

الجواب

تین مرتبہ تسبیح رکوع وسجود سے سنت تسبیح ادا ہوجاتی ہے اور فرائض میں تخفیف کا حکم ہے، اس لئے برعایت مقتدیان زیادہ طویل نہ کرنی چاہئے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو تطویل قرأت کرنے سے "اَفَتَّانٌ اَنْتَ" (۱) فرمایا؛ حالانکہ قرأت افضل اجزائے صلوٰۃ ہے؛ لیکن تین سے زیادہ ہونے کو حنفیہ مکروہ نہیں فرماتے، (۲) اور "**سمع اللہ لمن حمدہ**" کے بعد "**ربنا لک الحمد**" کہنا بھی مستحب ہے۔ (۳)

(۱) مشکوۃ، باب القراءۃ فی الصلاۃ، فصل أول: ۷۹، عن البخاری ومسلم (ح: ۸۳۳) / الصحیح للبخاری، باب من شکا إمامه إذا طول (ح: ۷۰۵) / الصحیح لمسلم، باب باب القراءۃ فی الصلاۃ (ح: ٤٦٥) انیس)

(۲) ویقول فی رکوعه "سبحان ربی العظیم" ثلاثاً وذلک أدناه، فلو ترک التسبیح أصلاً أو أتی به مرۃً واحدۃً یجوز ویکرہ (الھندیة، مصری: ۱/ ۷۹) ویقول فی سجودہ "سبحان ربی الأعلیٰ" ثلاثاً وذلک أدناه، کذا فی المحیط، ویستحب أن یزید علی الثلاث فی الرکوع والسجود بعد أن یختم بالوتر، کذا فی الھدایة، فالأدنیٰ فیھا ثلاث مرات والأوسط خمس مرات والأکمل سبع مرات، کذا فی الزاد، وإن کان إماماً لا یزید علیٰ وجه یمل القوم، کذا فی الھدایة. (الفتاویٰ الھندیة، مصری، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، فصل ثالث، فی سنن الصلاۃ: ۱/ ۷۰) ظفیر مفتاحی)

عن أبی بکرۃ أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یسبح فی رکوعه (سبحان ربی العظیم) وفی سجودہ (سبحان رب الأعلیٰ). رواہ البزار والطبرانی وإسنادہ صحیح. (آثار السنن: ۱/ ۱۱٤) إعلاء السنن، باب وجوب الاعتدال وسنیة الذکر فی الرکوع والسجود وسنة الذکر فیھما: ۱٤/۳ (ح: ۷۵۰) انیس)

(۳) إن کان إماماً یقول "سمع اللہ لمن حمدہ" بالإجماع وإن کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلاخلاف، وإن کان منفرداً الأصح أنه یأتی بھما، کذا فی المحیط، وعلیه الاعتماد، کذا فی التتارخانیة وھو الأصح ھٰکذا فی الھدایة، ثم فی الروایة التی تجمع یأتی بالتسمیع حال الارتفاع وإذا استویٰ قائماً قال "ربنا لک الحمد، کذا فی الزاھدی وھو الصحیح کذا فی القنیة. (الفتاویٰ الھندیة، مصری، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، فصل ثالث، فی سنن الصلاۃ: ۱/ ۷۰، ظفیر)

أبو ھریرۃ یقول: کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم إذا قام إلی الصلاۃ یکبر حین یقوم ثم یکبر حین یرکع ثم یقول: سمع اللہ لمن حمدہ حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول وھو قائم ربنا لک الحمد. (الصحیح للبخاری، باب التکبیر إذا قام من السجود (ح: ۷۸۹) / الصحیح لمسلم، باب إثبات التکبیر فی کل خفض ورفع فی الصلاۃ (ح: ۳۹۲) انیس)

اسی طرح جلسہ میں ”رب اغفر لی، إلخ“ کہنا جائز و مستحسن ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ ادعیہ واذکار نوافل میں پڑھے اور فرائض میں تخفیف رکھے۔(۱)

جیسا کہ امر ”**فلیخفف**“ (الحدیث)(۲) اس کو مقتضی ہے، **وإذا أراد الله بعبد خیرًا یفقّهه فی الدین**.(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۶-۱۵۸)

رکوع وسجدہ میں تسبیحات کی مقدار:

سوال: ہمارے امام صاحب نماز میں بڑا لمبا سجدہ کرتے ہیں، ”**سبحان ربی الأعلیٰ**“ تین بار پڑھنا ہے، یا سات بار یا اس سے بھی زیادہ؟ (ذاکر شریف، گلبرگہ)

الجواب

رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کم سے کم تین بار کہنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

(۱) ویقول فی رکوعه سبحان ربی العظیم ثلاثاً وذلک أدناه فلوترک التسبیح أصلاً لا أتی به مرةً واحدةً یجوز ویکره.(الهندیة،مصری: ۷۹/۱)

ویقول فی سجوده سبحان ربی الأعلیٰ ثلاثاً وذلک أدناه،کذا فی المحیط ویستحب أن یزید علی الثلاث فی الرکوع والسجود بعد أن یختم بالوتر،کذا فی الهدایة،فالأدنیٰ فیهما ثلاث مرات والأوسط خمس مرات وإلا کمل سبع مرات ،کذا فی الزاد،وإن کان إماماً لا یزید علیٰ وجه یمل القوم،کذا فی الهدایة.(الفتاویٰ الهندیة، مصری،الباب الرابع فی صفة الصلاة،فصل ثالث: ۷۰/۱ظفیر مفتاحی)

والسنة فیه أن یرفع رأسه حتیٰ یستوی جالساً ولیس فی هٰذا الجلوس ذکرمسنون عندنا، هٰکذا فی الجوهرة النیرة.(الفتاویٰ الهندیة: ۷۰/۱،ظفیر)

عن عائشة قالت:کان النبی صلی الله علیه وسلم یقول فی رکوعه وسجوده: سبحانک اللّٰهم ربنا ولک الحمد اللّٰهم اغفرلی.(الصحیح للبخاری،باب الدعاء فی الرکوع (ح: ۷۹٤)

وکذا لایأتی فی رکوعه وسجوده بغیرالتسبیح علی المذهب وما ورد محمول علی النفل.(الدرالمختار علی صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۵۰۵/۱-۵۰٦،دارالفکر.انیس)

(۲) وہ حدیث یہ ہے:”عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إذا صلیٰ أحدکم للناس فلیخفف،فإن فیهم السقیم والضعیف والکبیروإذا صلیٰ أحدکم لنفسه فلیطول ماشاء“متفق علیه.(مشکوٰة،باب ما علی الإمام: ۱۰۱، ظفیرغفرله) الفصل الأول(ح: ۱۱۳۱)/صحیح البخاری،باب إذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء (ح: ۷۰۳)/صحیح لمسلم،باب أمر الأئمة بتخفیف الصلاة (ح:٤٦۷)انیس)

(۳) دیکھئے:مشکوٰة،کتاب العلم،فصل أول : ۳۲ ، (ح: ۲۲۰)الفاظ مشکوٰة والی حدیث میں یہ ہیں:من یرد اللّٰه به خیرًا یفقّه فی الدین.ظفیر)/صحیح البخاری،باب من یرداللّٰه به خیرا یفقه فی الدین (ح: ۷۱)/مسلم (ح:۱۰۳۷)انیس)

''جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین بار ''**سبحان ربی العظیم**'' اسی طرح سجدہ میں تین بار ''**سبحان ربی الأعلیٰ**'' کہے تو اس نے رکوع وسجدہ مکمل کرلیا، لیکن فرمایا کہ یہ تسبیحات کی کم سے کم مقدار ہے''۔(۱)

اس لئے فقہا نے لکھا ہے:

''کم سے کم رکوع اور سجدہ میں تسبیح کی مقدار تین دفعہ ہے، اوسط درجہ پانچ ہے اور سب سے کامل درجہ سات دفعہ تسبیح پڑھنے کا ہے''۔(۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تو عام معمول تین بار تسبیح پر اکتفا کرنے کا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تین بار اور سجدہ میں تین بار پڑھا کرتے تھے''۔(۳)

البتہ تہجد کی نماز میں تسبیحات کی مقدار زیادہ ہوا کرتی تھیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ بہت طویل ہوتا، اور رکوع اور سجدہ کی مقدار بھی قریب قریب قیام ہی کی ہوتی تھی۔(۴)

امام کو چاہئے کہ اتنی تسبیحات پڑھے کہ مقتدیوں کو اکتاہٹ نہ ہو۔

''وإن كان إمامًا لايزيد علٰى وجه يمل القوم''.(۵)

---

(۱) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ٢٦١، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود.

یہ مرفوع حدیث ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں اور الفاظ حدیث یہ ہیں:

''عن ابن مسعود: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ''إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه ''سبحان ربي العظيم'' ثلاث مرات، فقد تم ركوعه، وذلك أدناه، وإذا سجد فقال في سجوده ''سبحان ربي الأعلىٰ'' ثلاث مرات، فقد تم سجوده، وذلك أدناه '' (الجامع للترمذی (ح: ٢٦١) باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، محشی)

(۲) الفتاویٰ الهندية: ٧٥/١، الباب الرابع فی صفة الصلاة

(۳) مجمع الزوائد: ١٢٨/٢، (عن أبی بكرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسبح فی ركوعه ''سبحان ربی العظيم'' ثلاثا'' وفی سجوده سبحان ربی الأعلیٰ'' ثلاثاً. (مجمع الزوائدومنبع الفوائد، باب مايقول فی ركوعه وسجوده (ح: ٢٧٧٧) والحديث رواه البزار، بقية حديث أبی بكرة (ح: ٣٦٨٦)) انيس)

(۴) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ١٧٩٩، باب صلاة النبي ودعاء ه بالليل. محشی

(عن حذيفة قال: صليت مع النبی صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فافتتح البقرة فقلت: يركع عندالمائة ثم مضى فقلت: يصلی بها فی ركعة فمضی فقلت: يركع بها ثم افتتح النساء فقرأها ثم افتتح آل عمران فقرأها يرقأ مترسلا إذا مر بآية فيها تسبيح سبح وإذا ر بسؤال سأل وإذا مر بتعوذ تعوذ ثم ركع فجعل يقول: سبحان ربی العظيم، فكان ركوعه نحوا من قيامه ثم قال: سمع الله لمن حمده ثم قام طويلا قريبا مما ركع ثم سجد فقال: سبحان ربی الأعلیٰ، فكان سجوده قريبا من قيامه. (الصحيح لمسلم، باب استحباب تطويل القراء ة فی صلاة الليل (ح: ٧٧٢) انيس)

() الفتاوی الهندية: ٧٥/١۔

اس لئے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ امام کو پانچ دفعہ تسبیحات پڑھنی چاہئے، تاکہ تیز پڑھنے والوں کو زیادہ انتظار کرنا نہ پڑے، اور آہستہ پڑھنے والوں کی تین تسبیحات پوری ہوجائیں:

"ينبغي للإمام أن يقول خمسًا ليتمكن القوم من الثلاث". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۶-۱۷۷)

نمازوں میں رکوع سجود کی تسبیحات زور سے پڑھے یا آہستہ:

سوال: بعض آمیوں کی عادت ہے کہ فرض، سنت، وغیرہ نمازوں میں ثناء، اور رکوع وسجود کی تسبیحات اور تکبیرات انتقالات اور تشہد، درود شریف، اور نماز کے بعد دعا اور وظیفہ وغیرہ زور سے پڑھتے ہیں کہ قریب نماز پڑھنے والے کو حرج ہوتا ہے اور نماز میں غلطی ہوتی ہے، خشوع اور خضوع فوت ہوتا ہے، تو اس قدر زور سے پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

فرض وغیرہ میں ثنا اور رکوع وسجود کی تسبیحات وغیرہ یا تلاوت قرآن مجید، ذکر واوراد اور وغیرہ، وظیفہ وغیرہ اس قدر زور سے پڑھنا کہ دوسروں کی توجہ بٹے، نماز پڑھنے والوں کو خلجان ہو، وہ بھول جائیں، یا ان کے خشوع وخضوع میں، یا اعتکاف کرنے والوں کی یکسوئی میں فرق آئے، یا سونے والوں کی نیند میں خلل پڑے، (اس طرح پڑھنا) درست نہیں۔ گناہ کا موجب ہے۔ لہٰذا ایسی عادت چھوڑ دینی چاہیے۔

وفي حاشية الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاء علىٰ استحباب ذكر الجماعة فی المساجد وغيرها الاأن يشوش جهرهم علىٰ نائم أومصلی أو قاری، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۶۱۸)

وقد ذكر الشيخ عبدالوهاب الشعرانی فی كتابه المسمی "بيان ذاكر للمذكور والشاكر للمشكور" مانصه: وأجمع العلماء سلفاً وخلفاً علىٰ استحباب ذكر الله تعالىٰ جماعة فی المسجد وغيرها من غيرنكير الاأن يشوش جهرهم بالذكر علىٰ نائم أومصلی أوقاری، كماهو مقرر فی كتب الفقه. (الأشباه والنظائر مع شرح الحموی: ۵۶۰) **فقط والله أعلم بالصواب** (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۲۳-۲۴) ☆

---

(۱) مجمع الأنهر: ۱/۹۶، فصل صفة الشروع فی الصلاة. انيس

☆ رکوع اور سجدے کی تسبیح تین سے کم پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: رکوع یا سجدے میں تسبیح تین مرتبہ سے کم پڑھنے میں کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

حامدًا ومصليًا ومسلمًا: ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(والتسبيح فيه ثلاثًا) فلو تركه أونقصه كره تنزيهًا. (الدر المختار: ۱/۳۳۲) (الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۳۳۲، نعمانية، ديوبند، مطلب: فی التبليغ خلف الإمام، انيس) **والله أعلم بالصواب**

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۴۹-۳۵۰) ==

تسبیحات رکوع وسجدہ میں 'بحمده' کا اضافہ درست ہے یا نہیں:

سوال: زید اپنے فرض ونفلوں میں رکوع کے اندر "سبحان ربی العظیم وبحمده" اور سجدہ میں "سبحان ربی الأعلیٰ وبحمده" پڑھتا ہے۔ خالد کہتا ہے "وبحمده" پڑھنا کسی کتاب حنفی میں نہیں ہے اور نہ فقہا نے لکھا ہے اور نہ حدیث سے ثابت ہے۔ آیا خالد حق پر ہے یا زید؟

الجواب

احادیث میں تسبیح رکوع وسجود میں ایسا ہی وارد ہوا ہے جیسا کہ خالد کہتا ہے اور فقہا حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱) باقی اگر "بحمده" کی زیادتی کردی جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، یہ کچھ اختلاف کرنے کی بات نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۶۷-۱۶۸)

'تسبیحات رکوع' میں جو "عظیم" نہ کہہ سکے وہ "کریم" کہے یا نہیں:

سوال: جو شخص "سبحان ربی العظیم" کے الفاظ کو ادا نہ کرسکے، بلکہ رکوع میں بجائے "سبحان ربی العظیم" کے "سبحان ربی العجیم" پڑھے اس کو بجائے "عظیم" کے "سبحان ربی الکریم" کی تعلیم دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں بجائے "سبحان ربی العظیم" کے "سبحان ربی الکریم" کی تعلیم درست ہے، تاوقتیکہ وہ "عظیم" کا لفظ درست کریں۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۰-۱۷۱) ☆

== ☆ امام کا رکوع وسجدہ کی تسبیح بلند آواز سے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی حافظ اور مولوی ہوتے ہوئے سجدہ میں "سبحان ربی الأعلیٰ" اتنی آواز سے ہمیشہ پڑھے کہ سارے مقتدی سنتے ہوں، تو کیا وہ نماز ہوگی، یا جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب　　حامدًا ومصلیًا

کسی بھی رکن میں کسی بھی جملہ کو اس طرح پڑھنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو، غیر پسندیدہ ہے، البتہ اگر گاہ بگاہ کبھی کبھار غیر اختیاری طور پر کوئی لفظ زور سے نکل جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی، ۱/۴/۱۴۱۳ھ۔ (حبیب الفتاویٰ:۴/۸۴-۸۵)

(۱) (ویضع یدیه) معتمدًا بهما (علیٰ رکبتیه إلخ ویسبح فیه وأقله) (ثلثة). (الدر المختار) السنة فی تسبیح الرکوع "سبحان ربی العظیم". (رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۱/۴۶۲)

(۲) السنة فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم إلا أن کان لایحسن الظاء فیبدل به الکریم ==

تسبیح پُر نہ پڑھے تو کیا حرج ہے:

سوال: عامی لوگ نماز میں تسبیح رکوع "سبحان ربی العظیم" کو پُر نہیں پڑھتے تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوجاتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۵)

== لئلایجری علیٰ لسانه العزیم تفسد به الصلاة، کذا فی شرح درر البحار، فلیحفظ. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب فی إطالة الرکوع: ۱/۴۶۲، ظفیر)

☆ رکوع میں "سبحان ربی الکریم" پڑھنا:

سوال: نماز کے اندر رکوع میں "سبحان ربی العظیم" کے بجائے "سبحان ربی الکریم" پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص "العظیم" کے بجائے "أجیم" پڑھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام میں رہتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا ایمان کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیًا

حدیث پاک میں "سبحان ربی العظیم" ہے، "سبحان ربی الکریم" پڑھنا حدیث شریف کے خلاف ہے۔ (عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: "إذ رکع أحدکم، فقال فی رکوعه: سبحان ربی العظیم ثلاث مرات، فقد تم رکوعه، وذلک أدناه، إذا سجد فقال فی سجوده: سبحان ربی الأعلیٰ ثلاث مرات، فقد تم سجوده، وذلک أدناه". (سنن الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ۱/۶۰، سعید)

"[تنبیه]: السنة فی تسبیح الرکوع "سبحان ربی العظیم". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی إنتهائها: ۱/۴۹۴، سعید)

جو شخص "عین" و "ظا" ادا نہیں کرتا وہ "أجیم" پڑھتا ہوگا، اس طرح پڑھنا غلط ہے۔ ("ومنها زلة القاری، فلو فی إعراب... ولو زاد کلمة أو نقص... أو بدله بآخر نحو... "انفجرت" بدل: "انفرجت"، "إیاب بدل: "أواب"، لم تفسد مالم یتغیر المعنی، إلا ما یشق تمییزه کا لضاد والظاء فأکثرهم لم یفسدها". (الدر المختار: ۱/۶۳۰-۶۳۳) وقال ابن عابدین رحمه اللّٰہ تعالیٰ تحته: "إن الخطاء إما فی الإعراب... أو فی الحروف بوضع حرف مکان آخر". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها، مسائل زلة القاری: ۱/۶۳۰، سعید)

لیکن اس سے کافر نہیں ہوتا؛ کیونکہ جو شخص "ع" و "ظ" ادا نہیں کر پاتا وہ مجبور ہے، اس کو صحیح ادا کرنے کی کوشش لازم ہے۔ ("وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف، أو لا یقدر علیٰ إخراج الفاء إل ابتکرار ". (الدر المختار) "فکل ذلک حکمه مامر من بذل الجهد دائماً، وإلا فلا تصح الصلاة به". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۸۲، سعید) (مطلب فی الألثغ، انیس)

جب تک صحیح ادا نہ کر سکے اس کو "سبحان ربی الکریم" پڑھنا چاہئے۔ (السنة فی التسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم، إلا إن کان لایحسن الظاء فیبدل به الکریم؟ لئلایجری علیٰ لسانه العزیم، فتفسد به الصلاة". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة: ۱/۴۹۴، سعید) فقط واللّٰہ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۶/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۶/۹/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۰۷-۶۰۸)

(۱) والتسبیح فیه ثلاثاً. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۴۴، ظفیر)

رکوع میں امام عجلت کرے تو مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: امام رکوع وسجود میں ایسی جلدی کرتا ہے کہ مقتدی تین بار تسبیح نہیں پڑھ سکتے، مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب

امام کو ایسی جلدی رکوع وسجود میں نہ کرنا چاہئے کہ مقتدی تین بار تسبیح نہ پڑھ سکیں۔ لیکن اگر مقتدیوں کی تین تسبیح پوری نہ ہوئی تو نماز مقتدیوں کی صحیح اور کامل ہوئی اس میں کچھ نقصان نہیں آیا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۸)

رکوع، سجدہ کی تسبیح کا موقع نہ ملے تو کیا کرے:

سوال: مقتدی نے رکوع وسجود میں تین تسبیح نہیں کہی کہ امام نے تکبیر کہہ دی، ایسی صورتوں میں شرکت ہوگی اور ایسی صورتوں میں امام کی متابعت ضروری ہے، یا تسبیح کی مقدار پوری کرے؟ حنفیہ کا اصح قول کیا ہے؟

الجواب ــــــــ حامداً و مصليًا

اگر امام اتنا تیز رفتا ہے کہ مقتدی تین دفعہ تسبیح رکوع پڑھے تو قومہ نہ پا سکے اور تسبیح سجدہ پڑھے تو دوسرے سجدہ میں پکڑ نا مشکل ہو جائے تو ایک تسبیح پر قناعت کرلے اور امام کی متابعت کرتا رہے۔(۲) **فقط و اللّٰہ تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۱/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۰۸)

تسمیع وتحمید:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوئم میں فرض فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ **"سمع اللّٰہ لمن حمده"** کہتے ہوئے کھڑے ہو جاوے(۳) اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ منفرد دونوں پڑھے، یعنی **"سمع اللّٰہ لمن حمده"** اور **"ربنا لک الحمد"**۔

سواب دریافت طلب یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو پڑھنا چاہئے یا عورت کو صرف **"سمع اللّٰہ لمن حمده"** اور مرد کو دونوں یا صرف **"سمع اللّٰہ لمن حمده"** مرد کے لئے سنت ہے یا دونوں سنت ہیں؟ بعض کتابوں میں لکھا

(۱-۲) **(ولو رفع الإمام رأسه) من الركوع والسجود (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته). (الدر المختار)**

يسبح فيه ثلاثاً فإنه سنة علىٰ المعتمد المشهور في المذهب لافرض ولاواجب، كما مرّ فلايترك المتابعة الواجبة لأجلها. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٦٣/١، ظفير) (مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

(۳) بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان، ص:۱۷، امدادیہ ملتان

ہوا ہے کہ رکوع سے کھڑے ہو کر منفرد "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے اور کوئی شخص نہ معلوم ہونے کی وجہ سے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" پڑھ دیا بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں پڑھنا چاہئے اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیًا

مرد اور عورت دونوں کو جب کہ وہ منفرد ہوں "سمع اللّٰہ لمن حمدہ"، "ربنا لک الحمد" پورا پڑھنا چاہئے اگر مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کسی نے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہا "ربنا لک الحمد" نہیں کہا تو اس کے ذمہ گناہ نہیں، نماز ہوگئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۱۳۵۵ھ۔ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

(فتاویٰ محمودیہ، ۵/ص: ۶۰۹-۶۱۰)

امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال: امام "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کے بعد "ربنا لک الحمد" بھی کہے یا کہ صرف مقتدی کہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

امام کی تحمید سے متعلق دونوں قول ہیں، کہنا افضل ہے۔

قال فی شرح التنویر فی سنن الصلاة: والتسمیع للإمام والتحمید لغیره.

وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی: (قوله لغیره) أی لمؤتم ومنفرد لکن سیأتی أن المعتمد أن المنفرد یجمع بین التسمیع والتحمید وکذا الإمام عندهما وهو روایة عن الإمام جزم بها الشرنبلالی فی مقدمته. (ردالمحتار: ۱/۴۴۵) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۳۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۳۱۲)

"سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کی جگہ "اللّٰہ أکبر" کہے:

سوال: زید نے عصر میں بھول کر "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" نہیں کہا "اللّٰہ أکبر" کہہ کر سجدہ میں چلا گیا، سبھی مقتدیوں نے اقتدا کی، ایک نے اقتدا نہ کی اور سیدھا کھڑا ہونے کے بجائے رکوع سے سجدہ میں چلا گیا، اس کی نماز ہوئی یا نہیں، تمام مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) وإن کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلاخلاف، وإن کان منفرداً الأصح أنه یأتی بهما، کذا فی المحیط، وعلیه الاعتماد، وکذا فی التاتارخانیه، وهو الأصح، هٰکذا فی الهدایة" (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة: ۱/۷۴، رشیدیة)

ھو المصوب

سب کی نماز ہوگئی، (۱) البتہ جس مقتدی نے رکوع سے ہی سجدہ کیا ہے اس کی نماز ناقص ہوئی، وہ نماز دہرالے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۹۳/۲)

رکوع سے اٹھتے وقت مقتدی "ربنا لک الحمد" کے ساتھ "اللّٰھم" کہے یا نہیں:

سوال: امام جب "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے تو مقتدی صرف "ربنا لک الحمد" کہے یا "اللّٰھم" بھی زیادہ کرے اور احسن کیا ہے؟

الجواب

امام جب "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے تو مقتدی صرف "ربنا لک الحمد" کہے اور اگر "اللّٰھم" بھی بڑھا دیوے تو بہتر ہے، حدیث شریف میں دونوں وارد ہیں اور بعض احادیث میں واو کی زیادتی بھی وارد ہے، یعنی "اللّٰھم ربناولک الحمد"، پس جو لفظ کہہ لیوے کافی ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۲/۲-۱۶۳)

(۱) سئل یوسف بن محمد عمن رفع رأسه من الرکوع ولم یقل عند الرفع سمع اللّٰه لمن حمده، قال لا یأتی به بعدما استوی قائماً وکذا کل ذکر یؤتی به فی حال الانتقال لا یؤتی به فی غیر محله کالتکبیر الذی یؤتی به عند الانحطاط من القیام إلی الرکوع أو من الرکوع إلی السجود (الفتاوی الهندیة: ۷٤/۱) (کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة، انیس)

(۲) (و) یکتفی (بالتحمید المؤتم) وأفضله "اللّٰهم ربناولک الحمد" ثم حذف الواو ثم حذف اللّٰهم فقط. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ٤٦٤/۱، ظفیر) (فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس)

☆ تحقیق جملہ "رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ":

سوال: رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اٹھ کر ربنا ولک الحمد پڑھنے میں یہ فضیلت ہے اور فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لیے کرتے ہیں، اس دن سے واو کا اضافہ کر دیا، لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لیے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے ربنا لک الحمد بہتر ہے یا ربنا ولک الحمدُ، براہ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں: (۱) اللّٰھمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (۲) اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (۳) رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (۴) رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ. فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم۔

قال فی العلائیة: وأفضله اللّٰهمَّ ربناولک الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف اللّٰهم، فقط. ==

"ربنا لک الحمد" میں اضافہ:

سوال: ایک صاحب نے جماعت کی نماز میں امام صاحب کے "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد اس طرح کہا: "ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ" کیا اس طرح تحمید کے کلمات کہے جا سکتے ہیں؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیدگاہ میں نماز ادا کر رہے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ سلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک شخص نے کہا: "ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباًمبارکاً فیہ" جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ کہنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ اس کو لکھنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں"۔(۱)

== وقال ابن عابدین: وبقی رابعة وھی حذفھما والأربعة فی الأفضلیّة علی ھٰذا الترتیب کما أفادہ بالعطف بثم (رد المحتار: ۱/ ۴۶۴)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب فی إطالة الرکوع للجائی ،انیس)

حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا جن کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے، وہ کلمات یہ ہیں: ربنا ولک الحمد حمدًا کثیرًا طیّباً مبارکاً فیہ. (رواہ البخاری،رقم الحدیث: ۷۹۹) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا فرائض میں نہیں پڑھنا چاہیے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰/ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔(احسن الفتاویٰ:۴۳/۳)

تحمید کے افضل کلمات:

سوال: تحمید کے افضل کلمات کون سے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا: تحمید کے سب سے افضل کلمات یہ ہیں: "اللّٰھم ربنا ولک الحمد".

والأفضل اللّٰھم ربنا ولک الحمد ویلیه اللّٰھم ربنا لک الحمد ویلیه ربنا لک الحمد. (مراقی الفلاح: ۱۸۹)(مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح،فصل فی کیفیة ترکیب أفعال الصلاة : ۱۸۹ ، مصری) کذا فی شرح المنیة الکبیر: ۳۱۸،(غنیة المستملی شرح منیة المصلی،صفة الصلاة:۳۱۸، سھیل اکیڈمی،لاھور)والدر المختار: ۳۳٤/۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة: ۳۳٤/۱،نعمانیة،دیوبند)واللّٰہ أعلم بالصواب

کتبہ: عبد اللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔(فتاویٰ ریاض العلوم:۳۳۰/۲)

(۱) صحیح البخاری: ۱۱۰/۱، حدیث نمبر: ۷۹۹، باب فضل اللّٰھم ربنا لک الحمد۔ محشی

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں اس طرح تحمید کے کلمات کہے جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ صحابہ کا جو عام معمول تھا، وہ یہی کہ جماعت کی نماز میں صرف "**ربنا لک الحمد**" کہنے پر اکتفا کرتے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ہدایت بھی یہی منقول ہے کہ جب امام "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" کہے تو تم "**ربنا لک الحمد**" کہو۔(۱)

اس لئے احناف اور اکثر فقہا کی رائے یہی ہے کہ فرض نمازوں میں اتنے ہی پر اکتفا کرنا بہتر ہے، البتہ نفل نماز میں تحمید کے وہ کلمات کہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، کیونکہ نفل میں بمقابلہ فرض کے گنجائش زیادہ ہے۔ رہ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس کا مقصد ان کلمات کی تحسین ہے، نہ کہ عمل کی توثیق، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصود نہیں کہ لوگ اس طرح کلمۂ تحمید کہا کریں، اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کو بھی اس طرح کہنے کی ترغیب دی ہوتی، بلکہ اس کا مقصد ان حمد یہ کلمات کی تحسین ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۱-۱۸۲)

قومہ میں ہاتھ باندھنا ثابت نہیں:

سوال: رسالہ "**إتمام الخشوع**" بھیجتا ہوں، ملاحظہ فرما کر تصدیق وتنقید سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب

بندہ نے رسالہ "**إتمام الخشوع**" کو دیکھا، کوئی حدیث صریح اس بارہ میں نقل نہیں کی گئی، جس سے "بعد الرکوع" صراحۃً ہاتھ باندھنا معلوم ہو، بلکہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ جو صفحہ: ۷، کتاب مذکور میں منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: "**إنه كان إذا قام إلى الصلوٰة وضع يمينه على الشمال فلايزال كذلك حتىٰ يركع**" سے معلوم ہوا کہ! "**وضع يمين على الشمال قبل الركوع**" تک ہوتا تھا۔

بہر حال حنفیہ (**كثرهم اللّٰه تعالىٰ**)(۱) اور جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ "بعد الرکوع" ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں، پھر تعجب ہے کہ آپ بندہ کی رائے دریافت کرتے ہیں، بندہ کی رائے اپنے ائمہ اور جمہور کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۶-۱۷۷)☆

(۱) صحيح البخاري، رقم الحديث: ۷۹۶، باب فضل اللّٰهم ربنا لک الحمد۔ محشی

(۲) وأما في القومة التي بين الركوع والسجود ذكر شيخ الإسلام في شرح كتاب الصلاة أنه يرسل على قولهما كما هو قول محمد. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۵، دار الفكر)

وترسل في القومة وبين تكبيرات العيد. (الهداية، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹، دار إحياء التراث، انيس)

☆ قومہ میں ہاتھ باندھنا:

سوال: الدر المختار، باب صفة الصلاة: "وهو سنة قيام ... (له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفي القنوت وتكبيرات الجنازة لا) (في قيام بين ركوع وسجود)(و) لا بين (تكبيرات العيد) لعدم الذكر مالم يطل القيام فيضع. (الدر المختار)

==

== ومقتضاه أنه يعتمد أيضًا في صلاة التسابيح. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في بيان المتواتر بالشاذ، انيس) (درمختار، باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے: اوروہ سنت ہے اس قیام کی جس میں قرار اور ذکر مسنون ہے، تو حالت ثنا میں اور قنوت میں اور تکبیرات جنازہ میں باندھے، نہ کہ رکوع کے بعد کے قیام اور سجدہ میں۔ ردالمحتار میں ہے: اور نہ تکبیرات عیدین میں کہ اس میں ذکر نہیں ہے، خواہ قیام کتنی ہی دیر کا ہو تو ہاتھ باندھ لے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ صلوٰۃ التسبیح میں بھی وہ اس پر اعتماد کرے۔)

اس عبارت کا کیا مفہوم ہے؟ اس سے قومہ صلوٰۃ التسبیح میں ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

حالت قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا چاہئے اور اس عبارت درمختار سے ہاتھ باندھنا نہیں نکلتا، بلکہ یہ کہتا ہے کہ اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۶۵)

☆ قومہ کی دعا:

سوال: ياأيها المفتي! ماتقول في هٰذه المسئلة: رجل حنفي يتبع مذهب أبي حنيفة في جميع الأفعال، لٰكن في الصلاة بعد الركوع يقرأ"ربنا لک الحمد حمدًا كثيرًا طيباً مباركاً فيه"، لامن حيث أنه يخالف مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ بل يفهم ذلک من"ربنا لک الحمد"فقط. فما تقول في هذه المسئلة صلاة صحيحة أم لا؟ إن كان صحيحة فبكراهة أو بلا كراهة؟

الجواب حامداً ومصليًا

"(ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعاً)...(ويكتفي به الإمام). وقالا: يضم التحميد سرًا، (و) يكتفي(بالتحميد المؤتم) وأفضله: أللّٰهم ربنا ولک الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف أللّٰهم فقط. (ويجمع بينهمالومنفردًا) علىٰ المعتمد يسمع رافعاً ويحمد مستوياً آه". (الدرالمختار)

"(قوله: وقالا: يضم التحميد) هورواية عن الإمام أيضاً، وإليه مال الفضلي والطحاوي و جماعة من المتأخرين، معراج عن الظهيرية. واختاره في الحاوي القدسي، ومشى عليه في نور الإيضاح، لكن المتون علىٰ قول الإمام. (قوله: ثم حذف أللهم): أي مع إثبات الواو، وبقي رابعة: وهي حذفهما. والأبعة في الأفضلية على هٰذ االترتيب كما أفاده بالعطف بثم. (قوله: علی المعتمد): أي من أقوال ثلاثة مصححة، قال في الخزائن: وهو الأصح، كما في الهداية، والمجمع والملتقى، وصحح في المبسوط أنه كالمؤتم، وصحح في السراج معزياً لشيخ الإسلام أنه كالإمام. قال الباقاني: والمعتمد الأول آه". (رد المحتار: ٥١٩/١) (الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذاأرد الشروع: ٤٩٧/١، سعيد)

"قال مولانا بحر العلوم: اعلم أنه قدجاء في أدعية القومة زائدًا علىٰ ماذكرنا عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذارفع رأسه من الركوع قال: "أللهم ربنا لک الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الأرض وملأماشئت من شيء بعد أهل الثناء والمجد أحق ماقال العبد، وكلنالک عبد، أللهم لامانع لما أعطيت ولامعطي لما منعت، و لاينفع ذالجد منک الجد". رواه مسلم. (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الصلاة، باب ما يقول إذارفع رأسه من الركوع: ١٩٠/١، قديمي)(رسائل الأركان، فصل في صفة الصلاة: ٧٧، المطبع العلوي بلكهناؤ. انيس) ==

سجدہ میں جاتے ہوئے مقتدی کو تکبیر کہنا:

سوال:　امام جب تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کریں یا بلا تکبیر؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

مقتدی بھی تکبیر کہے گا۔جیسا کہ شامی میں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔۲۶/۱۰/۱۳۹۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۱۸/۵)

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم:

سوال:　بعد رکوع سجدہ میں جانے کے وقت پہلے ہاتھ ٹیک کر جاوے یا گھٹنا ٹیک کر جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

احادیث اس میں مختلف ہیں کہ پہلے سجدہ میں گھٹنے رکھے یا ہاتھ۔وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے "وضع الرکبتین قبل الیدین" مروی ہے،(۲) اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں،ایک روایت مذکورہ،دوسرے اس کا عکس۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بوجہ تعارض کے مرتفع ساقط ہوئیں،وائل بن حجر کی حدیث تعارض سے سالم رہی،لہٰذا اس کو ترجیح دی گئی،(۳) اور یہی عمل حنفیہ کا ہے۔

(امداد،جلد:۱،صفحہ:۹۹)(امداد الفتاویٰ جدید:۱۹۵/۱)

== "وقيد في البذل الدعاء الطويل بانفراده صلى الله عليه وسلم،كذافي باب ماجاء في ما يقول إذارفع رأسه من الركوع ("والحديث الذى استدل به محمول على حالة الانفراد في صلاة التطوع" . (بذل المجهود،كتاب الصلاة، باب ماجاء في مايقول إذارفع رأسه من الركوع :٦٨/٢ ،مكتبة.إمدادية)

فقد ظهرمن العبارات المنقولة جواب المسئلة.وبسط الأدعية في "الحرزالثمين" ص: ٢٦٢ (الحرز الثمن للحصن والحصين لعلى بن سلطان محمد الهروى المعروف بالقارى نزيل مكة المكرمة):"إذاأقام من الركوع،قال:"ربناولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه". خ،د،س،آه". (حصن،ص: ٤٠)(حصن حصين للجزرى رحمه الله تعالىٰ،وإذاقام من الركوع،ص: ١٩٠ ،دارالإشاعت)(رواه البخارى فى صحيحه،فى كتاب الأذان،باب بلا ترجمة بعد باب فصل أللهم ربناولك الحمد: ١١٠/١ ،قديمى)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح:عبد اللطیف،الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،۲۴/جمادی الاولیٰ/۱۳۵۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۱۰/۵-۶۱۲)

(۱)　"وثمانية تفعل مطلقاً:الرفع لتحريمة،والثناء،وتكبير انتقال،آه".(الدر المختار)

"(وقوله:وتكبير انتقال):أى إلى ركوع أوسجود أورفع منه".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل: ١٢/٢ ، سعيد)(مطلب فى القنوت للنازلة،انيس) ==

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ، ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہ، واس لیے ہاتھ پہلے رکھنا چاہے تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے، پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں، تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے، گھٹنوں میں نہیں۔

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ تحت(قوله واضعًا ركبتيه ثم يديه): ويضع اليمنىٰ منهما أوّلاً ثم اليسرى كما في القهستاني، لكن الذى فى الخزائن: واضعًا ركبتيه ثم يديه إلاّ أن يعسر عليه لأجل خف أوغيره فيبدأ باليدين ويقدم اليمنىٰ، آهـ. ومثله فى البدائع والتاترخانية والمعراج و البحر وغيرها، ومقتضاه أن تقديم اليمنى إنما هو عند العذر الداعى إلى وضع اليدين أوّلاً وأنه لا تيامن فى وضع الركبتين وهو الذى يظهر لعسر ذلك. (رد المحتار: ٤٦٥/١)(١) **فقط واللّٰه تعالى أعلم**

۲۵ محرم ۱۳۹۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۲/۳)

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے سر ٹیکے یا ناک......؟:

سوال: سجدہ میں جب جاتے ہیں تو پہلے سر ٹیکے یا ناک ٹیکے، اور جب اُٹھے تو پہلے سر اٹھاوے یا ناک اٹھاوے؟

الجواب ــــــــــــــــ

سجدے میں جاتے ہوئے پہلے سر رکھے پھر ناک اور اُٹھتے ہوئے کوئی ترتیب مذکور نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ساتھ ہی اٹھائے جائیں۔

==(۲) حدیث یہ ہے: عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه. (رواه الترمذى، باب ماجاء فى وضع الركبتين قبل اليدين فى الصلاة (ح: ٢٦٨)/ إعلاء السنن، طريق السجود: ٣٤/٢، رقم الحديث: ٧٧٩، انيس)

(۳) دیکھئے: شرح معانى الآثار: ١٥٠/١، باب مايبدأ بوضعه فى السجود، إلخ-سعيد (٢٥٥/١، عالم الكتاب، انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(١) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فى إطالة الركوع للجائى، انيس

قال فی الدر: (ثم وجهه)مقدماً أنفه لمامرّ أی لقربه من الأرض.

لـمـا قال الشامی: لکن فی البدائع: ومنها: أی من السنن أن یضع جبهته ثم أنفه، وقال بعضهم، أنفه ثم اهـ، جبهته ومقتضاه اعتماد تقدیم الجبهة وأن العکس قول البعض، آه.

قال فی الدر: ویعکس نهوضه.

قـال الشامی: وهل یرفع الأنف قبل الجبهة: أی علی القول بأنه یضعه قبلها؟ قال فی الحلیة: لم أقف علی صریح فیه، آه. (۵۲۰/۱)(۱) واللّٰه أعلم

۱۶/رجب ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۹۸/۲-۹۹)

سجدۂ مسنون:

سوال: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمبا سجدہ کرتے تھے۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ سجدہ میں دیر تک رہتے تھے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

جب تنہا نماز پڑھتے تو سجدہ میں دیر تک رہتے تھے اور سجدہ ایسا کشادہ کرتے تھے کہ بکری کا بچہ آپ کے نیچے کو نکلنا چاہے تو نکل جائے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۸/۵-۶۱۹)

سجدہ کا طریقہ:

سوال: سجدہ میں ران اور پنڈلی کو کتنا کشادہ کیا جائے؟ کیا زاویہ قائمہ بنانا چاہئے یا کیا؟

الجوابــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

”(ویظهر عضدیه)فی غیر زحمة(ویباعد بطنه عن فخذیه)لیظهر کل عضو بنفسه، إلخ. (۳)

---

(۱) کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس

(۲) عـن میـمـونة رضـی اللّٰه عنها أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: کان إذا سجد، جافٰی بین یدیه، حتٰی لو أن بهمةً أرادت أن تـمر تحت یدیه، مرت“. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلوة، باب صفة السجود: ۱۳۰/۱، دار الحدیث، ملتان)/ (ح: ۸۹۸)/سنن ابن ماجة، باب السجود (ح: ۸۸۰) انیس

”(قـولـه: وجـافٰـی بـطنه عن فخذیه): أی باعده لحدیث مسلم: ”کان إذا سجد، جافٰی بین یدیه، حتی لو بهمةً أرادت أن تـمـر تـحـت یـدیـه، مـرت“. ولـحـدیـث أبـی داؤد فی صفة صلوته علیه السلام: ”إذا سجد فرج بین فخذیه غیر حامل بطنه علٰی شیء من فخذیه“. (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۵۹/۱-۵۶۰، رشیدیة)

(۳) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۷۰/۱

پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں سنت اسی قدر ہے اور زاویہ قائمہ بنانا ضروری نہیں ہے اور یہ بھی جب ہے کہ جماعت میں نہ ہو تنہا ہو یا امام ہو، ورنہ ایسا فعل نہ کرے، جس سے دوسرے مقتدیوں کو ایذا ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۳/۲-۱۶۴)

سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر رکھنا:

سوال: علم الفقہ (مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی) میں نماز کے سنتوں کے بیان میں ہے کہ!

''سجدہ کی حالت میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر (جوڑ کر) رکھیں''۔(۱)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ!

کیا ایسا کرنا واقعی مسنون ہے؟ آج تک میں کسی کتاب میں بھی نہیں دیکھا اور نہ کسی عالم سے سنا۔

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

جوڑ کر یا ملا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ رکھے، یہ نہ کرے کہ ایک گھٹنہ مثلاً داہنا پہلے رکھے اور دوسرا (بایاں) بعد میں رکھے اور یہ کتب فقہ میں موجود ہے کہ دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے جائیں اور اس کو لفظ ''ملا کر'' سے تعبیر کیا ہے: **"لا تیامن فی وضع الرکبتین"**. (ردالمحتار)(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۹/۷/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۱/۵)

سجدہ میں الصاق کعبین:

سوال: **العرف الشذی**، ص: ۱۳٤، **"باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود"** میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے:

"الرص بین العقبین فی السجدة أی ضمها، إلخ". (۳)

اس **"الرص بمعنی الضم"** سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایڑیاں صرف سجدہ میں ملائی جائیں اور پنجے الگ رہیں، اس ملانے کی حیثیت صرف مستحب کی ہوگی یا سنت کی؟ ورنہ اگر کوئی نہ ملائے، جیسا کہ عام معمول ہے تو نماز پر کیا اثر ہوگا، خلاف اولی یا کراہت؟ فقہ کی جو کتابیں عموماً پڑھائی جاتی ہیں، اس کا ان میں تذکرہ نہیں ملتا، وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔

---

(۱) علم الفقہ، حصہ دوم، متفرق مسائل، نماز کی سنتیں، ص: ۲۲۰، دارالاشاعت، کراچی

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ٤٩٣/١، سعید

(۳) العرف الشذی علی جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ٦٩/١، سعید

الجو ابـــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

چونکہ حالت سجود میں بھی الصاق کعبین کا حکم ہے:

"إذا كان السنة في الركوع إلصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهما بعده، فالأصل بقاؤهما ملصقين في حالة السجود أيضاً". (ردالمحتار: ۲۳۲/۱)(۱)

اور إلصاق کعبین ضم عقبین کو مستلزم ہے، اس لئے اس کے بغیر الصاق کعبین کما حقہ نہیں ہوگا اور جو چیز سنت کے لئے معین بنے وہ کم از کم استحباب کے درجہ میں ہوگی، (۲) خصوصاً جب کہ روایت مذکور فی السوال میں اس کی تائید ہوتی ہے، تاہم پنجوں میں کچھ فصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۲۲/۶/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۰/۵-۶۳۱)

سجدہ میں ٹخنے ملانا:

سوال: مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علاحدہ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے۔

وفي صحيح ابن حبان عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: الرصّ بين العقبين في السجدة أي ضمهما وأكثر الناس عن هذا غافلون. (العرف الشذى: ۱۳۵)

اس کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجوابـــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اعلاء السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفاجج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها في حديث أوّله: فقدت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وكان معي علىٰ فراشي فدجته ساجدًا راصًّاعقبيه مستقبلاً بإطراف أصابعه القبلة. (رواه ابن حبان في صحيحه بإسناد حسن)(التلخيص الحبير: ۹۸/۱)(۲)

وللنسائي وقد سكت عنه: وهو ساجد وقدماه منصوبتان. (الحديث)(سنن النسائي: ۱۶۶/۱)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلىٰ انتهائها: ۴۹۳/۱، سعيد/باب صفة الصلاة، انيس

(۲) "لأن ما لا يتوصل إلىٰ الفرض إلابه، فهو فرض". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلىٰ انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد)(باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

(۳) الصحيح لابن خزيمة، باب ضم العقبين في السجود (ح: ۶۵۴)/صحيح ابن حبان، ذكر الخبر المدحض قول من زعم أن هذا الاخبر تفرد به عبدالله بن عمر (ح: ۱۹۳۳) انيس

(۴) سنن النسائي، باب نصب القدمين في السجود (ح: ۱۱۰۰) انيس

عن البراء رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه کان صلّی اللّٰہ علیه وسلّم إذا رکع بسط ظهره وإذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة فتفاجّ. (یعنی وسع بین رجلیه. منه). (رواه البیهقی) (التلخیص الحبیر: ۹۸/۱)(۱)

قلت: احتج به الحافظ ابن حجر بعد ما ضعف روایة الدارقطنی عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها وسکت عنه فهو حسن أو صحیح عنده. (إعلاء السنن: ۱۳۸/۳)(۲)

بصورتِ تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تطبیق:

حدیث اول میں رصّ بین العقبین تقریب پر محمول ہے۔

"کما حمل علیه العلامة الطحطاوی رحمه اللّٰہ تعالیٰ حدیث ضم الکفین فی الدعاء". (۳)

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں، ایک استقبال الاصابع القبلہ، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں رص بین العقبین کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہوسکتیں، مزید بریں اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح:

حدیث ثانی مردوں کے لیے رکوع وسجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے۔

وکفی به مرجحًا، وبهٰذا رجح الإمام الطحاوی رحمه اللّٰہ تعالیٰ حدیث وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع علی حدیث التطبیق. (۴)

نیز نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیوں کہ بلاضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔

قال صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فی مصل یعبث بلحیته: لو خشع قلبه لسکن جوارحه. (۵)

یہ بحث تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفہ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں صرف ابو السعود سے نقل کرکے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور سعایہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے۔ احسن الفتاویٰ میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں سعایہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷؍شعبان ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳؍۴۹-۵۰)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی، باب یضم أصابع یدیه فی السجود ویستقبلها بها (ح: ۲۶۹۷)/ مسند السراج، باب الأمر بالاعتدال فی السجود (ح: ۳۰۲) انیس

(۲) باب طریق السجود: ۳/۳۹-۴۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراتشی. انیس

(۳)

(۴) شرح معانی الآثار، باب التطبیق فی الرکوع: ۱/۲۳۰-۲۳۲، عالم الکتاب، انیس

(۵) عن علی قال: أبصر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رجلا یعبث بلحیته فی الصلاة فقال: ==

سجدۂ صلاۃ زمین پر بلا واسطہ افضل ہے یا بالواسطہ:

سوال: زید اور بکر دونوں کا اس بارے میں شدید اختلاف ہے کہ سجدۂ صلاۃ وجہ ارض پر بغیر واسطہ افضل ہے؟ یا بالواسطہ؟ مثلا: چٹائی اور کپڑا وغیرہ بچھا کر؟ زید شق اول کا قائل ہے، اس کے پاس فقط یہ دلیل ہے کہ " **السجدة وضع الجبهة على الأرض** " کو کہتے ہیں، نیز وہ اس کا بھی قائل ہے کہ " **العبرة للعموم** " عمومی طور پر عامۃ الناس کو زمین میسر ہوسکتی ہے اور " **جعلت لی الأرض طهورًا ومسجدًا** " حدیث پاک سے مدد لیتا ہے اور حضرات صحابہ کا کنکریاں بچھا کر نماز ادا کرنا اور پیشانی پر بوقت سجدہ چپک جانے یا لگ جانے والے گرد وغبار کو مسئلہ فقہیہ کے اعتبار سے نہ جھاڑنا بھی اس کے ادلہ میں شامل ہے۔

اور بکر اس بات کا قائل ہے کہ وضع جبہ کا نام سجدہ ہے، اور ارض کی قید اتفاقی ہے اور ارض کو طہور یا مسجد فرمایا جانا افضلیت کا مرجح بایں معنی نہیں ہے کہ اس میں حرج اور تنگی ہے اور گرد وغبار کا پیشانی پر لگ جانا فرش و چٹائی پر بھی ممکن ہی نہیں ہے، بلکہ واقع ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصلیاً ومسلماً:

فریقین کے دلائل سے قطع نظر اس باب میں فقہائے کرام کا دوٹوک فیصلہ موجود ہے کہ نماز میں سجدہ زمین، اور اس سے اگنے والی چیزوں پر افضل ہے، اور حضرات فقہا کے کلام میں اس کی دو وجہیں ہم کو مل سکیں: اول یہ کہ یہ اقرب إلی التواضع ہے، دوم یہ کہ کپڑوں کے متعدد انواع پر سجدہ کرنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے

اور زمین اور اس پر اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرنے سے امام مالک کے اختلاف سے عملاً اجتناب ہوجاتا ہے، اور خروج من الخلاف اولیٰ ہے۔

فی الشامی: ۳۶۸/۱: لكن الأفضل عندنا السجود على الأرض أو على ما تنبته. (۱)

وفی الكبير: ۳٤۷: (و) لكن الصلاة (على الأرض) بلا حائل (و) على (ما أنبتته الأرض)

== "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه". العسكری فی المواعظ وفيه زياد بن المنذر، متروك. (كنز العمال، فصل فی مفسدات الصلاة ومكروهاتها: ۱۹۷/۸ (ح: ۲۲۵۳۰)/ وفی المصنف لعبدالرزاق الصنعانی، باب العبث فی الصلاة (ح: ۳۳۰۸) بلفظ: عن أبان قال: رأى ابن المسيب رجلا يعبث بلحيته فی الصلاة فقال: "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه". انيس)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دار الفكر بيروت، انيس

کالحصیر والبوریا(أفضل) لأنه أقرب إلٰی التواضع وفیه خروج عن خلاف الإمام مالک فإن عنده یکره السجود علی ماکان من نحو الصوف والقطن والکتان فکان أفضل.(۱)

وفی نور الإیضاح، فصل فیما لایکره للمصلی:

ولا بأس بالصلاة علی الفرش والبسط واللبود ... والأفضل الصلاة علی الأرض ... أوعلٰی ما تنبته، ووجهه صاحب المراقی بقوله: لقربه من التواضع وصاحب الطحطاوی: وفیه خروج عن خلاف الإمام مالک.(۲) والله أعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالحلیم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۴۶/۲-۳۴۷)

سجدے سے اٹھتے ہوئے سہارا لینا جائز ہے یا نہیں:

سوال: سہارا لینا سجدہ سے اٹھتے وقت بلا عذر جائز ہے یا مکروہ، اور گھٹنوں پر سہارا لینا یعنی! **اعتماد علی الرکبة** اگرچہ جائز ہے، لیکن اس کا ترک مستحب ہے یا نہیں؟

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولایعتمد علی الأرض بیدیه عندقیامه وإنمایعتمد علی الرکبة ... وترک الاعتماد مستحب، إلخ.(۳)

اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(ویکبر للنهوض) علٰی صدور قدمیه (بلا اعتماد وقعود) استراحةٍ، إلخ.

شامی میں ہے:

(قوله: بلا اعتماد): أی علی الأرض، إلخ، قال فی الکفایة: أشار به إلٰی خلاف الشافعی رحمة اللّٰه علیه فی موضعین، أحدهما: یعتمد بیدیه علٰی رکبتیه، عندنا وعنده علی الأرض، إلخ. (ردالمحتار: ۳۴۰/۱)(۴)

پس معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا "**اعتماد علی الرکبتین**" ہے اور مذہب امام شافعیؒ "**اعتمادعلی الأرض**" ہے۔

---

(۱) الحلبی الکبیر شرح منیة المصلی، کتاب الصلاة، بعد مکروهات الصلاة، فروع: ۳۶۰، مطبع سنده. انیس

(۲) مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فیما لا یکره للمصلی: ۲۴۸، مصری

(۳) الفتاویٰ الهندیة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها: ۷۵/۱، دارالفکر بیروت. انیس

(۴) (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۷۲/۱-۴۷۳، ظفیر)(فروع بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس

لہٰذا بلا عذر "اعتماد علی الأرض" نہ کرے، بلکہ "اعتماد علی الرکبتین" کر کے اٹھے اور عالمگیری میں جو یہ مذکور ہے: "وترک الاعتماد مستحب"(۱)، اس کا مطلب یہی ہے کہ ترک "اعتماد علی الأرض" مستحب ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۸۵/۲)

سجدے سے اٹھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہونا سنت کے مطابق ہے:

سوال: غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ حنفی لوگ سجدے سے سر اٹھانے کے ساتھ ہی سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں، غیر مشروع ہے اور اس سے نماز خلل پذیر ہوتی ہے، بلکہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ بیٹھنا بھی چاہئے۔ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس کا جواب صاحب ہدایہ نے مختصر الفاظ میں اس طرح دیا ہے:

"ولنا حديث أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم "كان ينهض في الصلوٰة علىٰ صدور قدميه"، وما رواه محمول علىٰ حالة الكبر، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۰۵-۲۰۶) ☆

(۱) الفتاوىٰ الهندية، مصرى، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الثالث فى سنن الصلاة: ۷۰/۱، ظفير

(۲) الهداية، باب صفة الصلاة: ۱۰۱/۱-(سنن الترمذى، باب منه أيضا (ح: ۲۸۸)/عن عبدالرحمن بن يزيد قال: كان عبدالله ينهض على صدور قدميه. (المعجم الكبير للطبرانى، باب (ح: ۹۳۲۸) انيس)

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے سیدھے اپنے دونوں پاؤں کے سرے پر کھڑے ہو جاتے تھے، سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ دیر بیٹھتے نہیں تھے، باقی جس روایت میں بیٹھ کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کا واقعہ ہے کہ اپنے ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت نکل آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفیر

☆ نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں، عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ قعدہ یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے۔

قال فى العلائية ويكبر للنهوض علىٰ صدور قدميه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس.

وفى الشامية: (قوله بلا اعتماد، إلخ) أى على الأرض قال فى الكفاية أشار به إلىٰ خلاف الشافعى فى موضعين أحدهما يعتمد بيديه علىٰ ركبتيه عندنا وعنده على الأرض والثانى الجلسة الخفيفة قال شمس الائمة الحلوانى الخلاف فى الأفضل حتىٰ لو فعل كمامذهبنا لا بأس به عند الشافعى ولو فعل كما هو مذهبه لابأس به عندنا كذا فى المحيط. (رد المحتار: ۴۷۳/۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۲۹/محرم ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۵/۳)

نماز میں جلسۂ استراحت کا حکم:

سوال: نماز میں جلسۂ استراحت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جلسۂ استراحت سے مراد آپ کی یہ ہے کہ پہلی رکعت یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہونا تو حنفیہ منع کرتے ہیں، اگر آپ حنفی ہیں تو آپ کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۱/۶/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۳۰-۱۳۱) ☆

(۱) (ویکبر للنهوض) علیٰ صدور قدمیه (بلا اعتماد وقعود) استراحة ولو فعل لا بأس. (الدر المختار)

قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر، فيكره فعله تنزيهًا لمن ليس به عذر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۲/۲۱٤)

معلوم ہوا کہ کوئی عذر نہ ہو تو جلسۂ استراحت کے بغیر کھڑا ہوجانا مسنون و مستحب ہے، بغیر عذر جلسہ استراحت کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوگا؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہوگا۔ [مجاهد]

☆ طاق رکعتوں میں جلسۂ استراحت کی بحث:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طاق رکعتوں میں جلسۂ استراحت نہ کرنا یا کرنے سے منع کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــــــــ

وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينهض في الصلوٰة علىٰ صدور قدميه (الهداية، باب صفة الصلاة: ١/١٠١، عن البخاري. ظفير)

اور بہت سے صحابہ سے بھی منقول ہے۔ (كذا في شرح المنية) (عن عبدالرحمن بن يزيد يقول: رمقت عبدالله بن مسعود في الصلاة فرأيته ينهض ولا يجلس قال: ينهض على صدور قدميه في الركعة الأولىٰ والثانية. (المعجم الكبير للطبراني، باب (ح: ۹۳۲۷) انیس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۸۶-۱۸۷)

جلسۂ استراحت درست ہے یا نہیں:

سوال: نماز میں دو سجدوں کے ختم کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجوابـــــــــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک جلسۂ استراحت سجدہ کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھنے کے وقت نہیں ہے، ایسا نہ کیا جاوے۔

((و يكبر للنهوض... بلا اعتماد وقعود) استراحة ولو فعل لا بأس (الدر المختار) بلا اعتماد إلخ أي على الأرض قال في الكفاية: أشار به إلىٰ خلاف الشافعي في موضعين: أحدهما يعتمد بيديه علىٰ ركبتيه عندنا وعنده على الأرض، والثاني الجلسة الخفيفة، قال شمس الأئمة الحلواني: الخلاف في الأفضل حتىٰ لو فعل كما هو مذهبنا لا بأس به عند الشافعي رحمه الله تعالىٰ ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا، كما في المحيط آه. قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر، فيكره فعله تنزيهاً لمن ليس به عذر، آه. ==

التحیات سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: التحیات کے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر التحیات کو پڑھنا حدیث شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

التحیات میں پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی حدیث میں ثابت نہیں، البتہ بعض احادیث میں اس طرح وارد ہے:

بسم الله التحيات لله والصلوات لله والزاكيات لله إلخ. (۱)

باقی حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل تشہد ابن مسعود ہے جو کہ ان بلاد میں رائج ہے، اس پر زیادت کرنا خلاف اولیٰ ہے، باقی اگر بسم اللہ پڑھا جاوے تو نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا۔

قال في الدر: (ويقرأ تشهد ابن مسعود) وجوباً كما بحثه في البحر، و لكن كلام غيره يفيد ندبه، وجزم شيخ الإسلام الجد بأن الخلاف في الأفضلية، آه. (۵۳۲/۱) (۲) **والله أعلم**

۴/رجب ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۷۹/۲) ☆

== وتبعه في البحر وإليه يشير قولهم: لابأس فإنه يغلب فيما تركه أولى. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۷۲/۱، ظفير، فروع قرأبالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۹۱/۲)

نماز میں جلسۂ استراحت:

سوال: سجدہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بعض لوگ پہلے بیٹھتے ہیں، اور بیٹھ کر پھر اٹھتے ہیں، تو اس طرح بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا سنت ہے؟　　(عبدالسلام، ملے پلی)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سے اٹھنے کی دونوں کیفیتیں ثابت ہیں، بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا، بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہونا، (**صحیح البخاری**، حدیث نمبر: ۸۲۳، **باب من استوى قاعداً في وتر من صلاته ثم ينهض**، نیز دیکھئے: **مصنف ابن أبي شيبة، باب من كان يقول إذا رفعت رأسك، إلخ.** محشی)

اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، اس بیٹھک کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے، بعض فقہا کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون اور بہتر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہو، بیٹھ کر اٹھنے والی روایت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھاپے اور جسم کے بھاری ہونے کے بعد اس طرح اٹھا کرتے تھے۔ (حوالہ سابق)

گویا یہ عذر کی بنا پر تھا۔

حنفیہ کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، بہتر جلسۂ استراحت نہیں کرنا ہے؛ لیکن کرلے تو جائز ہے، کراہت بھی نہیں، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ جلسۂ استراحت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"**ولوفعل لابأس**". (**الدر المختار على هامش الرد: ۲۱۳/۲**) (کتاب الفتاویٰ: ۱۸۷/۲)

(۱) **موطأ الإمام مالك، تحقيق: الأعظمي، كتاب الصلاة، التشهد في الصلاة: ۱۲۵/۲ (ح: ۳۰۱) انيس**

(۲) **كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأبالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس** ==

تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجوہ ترجیح:

سوال: مسند ابوعوانہ اور بیہقی وغیرہ میں تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ''السلام علی النبی ورحمة اللّٰه'' کے الفاظ ہیں، بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعد خطاب کے صیغہ کو ترک کر دیا ہے، ہم اہل سنت والجماعت احناف پہلے الفاظ پر کیوں اڑے ہوئے ہیں؟

الجواب

عن القاسم قال: أخذ علقمة بيدى، وقال علقمة: أخذ ابن مسعود بيدى، وقال عبداللّٰه: أخذ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بيدى، فقال: إذا جلست فى الصلاة فقل: "التحيات للّٰه والصلوات و الطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة اللّٰه وبركاته السلام علينا وعلىٰ عباداللّٰه الصالحين أشهد أن لا اله الا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (الحديث) (أخرجه محمد فى كتاب الحجة: ١٣٤ــــ وجماعة من المحدثين منهم أبو داؤد والطحاوى والدارمى والدارقطنى والبيهقى والبخارى ومسلم وغيرهم)(١)

☆ قبل از التحیات بسم اللہ پڑھنا:

سوال: التحیات پڑھنے سے پہلے اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا تو نماز درست اور سنت کے مطابق ہو جائے گی؟ یا اعادہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصليًا ومسلمًا:

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات سے پہلے بسم اللہ پڑھنا منقول نہیں، اس لئے بسم اللہ پڑھنا سنت کے مطابق نہ ہوگا، البتہ مکروہ بھی نہ ہوگا اور نہ اعادہ واجب ہوگا۔ (بعض طرق میں بسم اللہ کی زیادت بھی ہے، لہٰذا سجدۂ سہو تو نہ ہوگا، مگر ایسا کرنا اچھا نہیں، اب اگر محض بسم اللہ زیادہ کیا تو یہ تو جائز ہے ''لكونه وارداً'' اور اگر ''بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' زیادہ کیا، تو اس میں کراہتِ تنزیہی ہوگی ''لكونه غير واردٍ'' اور سجدۂ سہو نہ ہوگا ''لكونه زيادة فى التشهد لا على التشهد''. (امداد الاحکام: ۱/۵۸۷، کراچی) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ غفرلہ ۱۴۱۴/۲/۱۷ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۴۱)

(١) سنن الدارقطنى، باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه (ح: ١٣٣٣)/مسند أبى حنيفة رواية أبى نعيم: ٩٣/١، مكتبة الكوثر الرياض/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب باب تحليل الصلاة بالتسليم (ح: ٢٩٦٥)/كتاب الآثار لأبى يوسف، باب التشهد (ح: ٢٦٩)/صحيح البخارى، باب التشهد فى الآخرة (ح: ٨٣١)/الصحيح لمسلم، باب التشهد فى الصلاة (ح: ٤٠٢)/سنن أبى داؤد، باب التشهد (ح: ٩٦٨)/سنن الترمذى، باب ماجاء فى التشهد (ح: ٢٨٩)/مسند البزار، حماد بن أبى سليمان عن إبراهيم عن علقمة عن عبداللّٰه (ح: ١٥٥٥)/سنن الدارمى، باب فى التشهد (ح: ١٣٧٩)/سنن النسائى، باب كيف التشهد (ح: ١٢٧٩)/مسند أبى يعلى الموصلى، مسند عبداللّٰه بن مسعود (ح: ٥١٣٥)/مستخرج أبى عوانة، باب إيجاب قراءة التشهد عند القعدة (ح: ٢٠٢٦)/شرح معانى الآثار، باب التشهد فى الصلاة كيف هو؟ (ح: ١٥٥٦) انيس)

وجوہ ترجیح:

(۱)　امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ خاص حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ!

وليس في التشهد شيء أوثق من حديث عبد اللّٰه ابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه. (كتاب الحجة: ۱۳۰)

اس سے زیادہ پختہ حدیث تشہد کے باب میں موجود نہیں۔

(۲)　**وفي المؤطا: كان عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه يكره أن يزاد فيه حرف أوينقص منه حرف.** (۱۵۷/۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشہد میں ایک حرف کی بھی کمی زیادتی کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

(۳)　ایسے ہی طحاوی شریف میں مروی ہے کہ ایک شخص نے تشہد سے قبل بسم اللہ کا اضافہ کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''أتأكل'' کیا تو کھانا کھاتا ہے کہ بسم اللہ کہہ ڈالا ہے، یعنی بسم اللہ کے اضافہ پر بھی (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) تنبیہ فرمائی۔

(۴)　ایسے ہی کسی شخص نے ''وحده لا شريك له'' کا اضافہ کرنا چاہا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت علقمہؒ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

(۵)　جتنے محدثین نے مذکورہ بالا حدیث کی تخریج کی ہے مسئولہ حدیث کی تخریج اتنے محدثین نے نہیں کی۔

(۶)　یہ تشہد حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ہے، مسئولہ تشہد تعلیل فرمودہ ہی نہیں۔

(۷)　حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں یہ تفصیل بیان نہیں فرمائی کہ یہ تشہد میری زندگی تک ہے، میرے رخصت ہوجانے کے بعد اس میں یوں تبدیلی کر لینا۔

(۸)　جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمی وزیادتی کو مکروہ جانتے تھے تو پھر انہوں نے یہ تبدیلی کیسے کر لی، تبدیلی اور مکروہ کیسے جمع ہوگئے؟ نیز یہ تبدیل شدہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ الفاظ کے مقابلہ میں حجت نہ ہوں گے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی جو صحابہؓ حاضر خدمت نہ ہوتے تھے، وہ بغیر تبدیلی کے تشہد پڑھتے تھے۔

(۹)　حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وهو أصح حديث عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم في التشهد والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين. (الترمذي: ۶۱/۱)(۱)

(۱)　أبواب الصلاة، باب ما جاء في التشهد، رقم الحديث: ۲۸۹، انیس

یہ حدیث تشہد کے باب میں سب سے اصح ہے، اکثر حضرات صحابہؓ اور تابعین کا اسی پر عمل ہے۔ فقط واللہ اعلم
بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۶/۱۱/۱۴۰۳ھ۔
الجواب صحیح: فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا۔ ۲۹/۱۱/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۸۰-۲۸۱)

تشہد میں ''وَالطَّیِّبَاتِ'' کو ''السَّلاَمُ'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا:

سوال: تشہد میں لفظ ''والطیبات'' کو لفظ ''السلام علیک'' سے ملانا افضل ہے، یا جدا پڑھنا افضل ہے اور دوسرے لفظ ''وبرکاته'' کو ''السلام علیک'' سے ملانا افضل ہے یا جدا پڑھنا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

جدا کرکے پڑھنا افضل ہے، یہ مقولہ الگ الگ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم
حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۳۴)

تشہد میں ''السلام علیک'' پر کیا نیت کرے:

سوال: ''جوہرہ نیرہ'' میں ایک مرتبہ دیکھا تھا کہ تشہد میں ''السلام علیک'' کہتے وقت حکایت صلوۃ کا خیال ہونا چاہئے جو معراج میں ہوئی تھی۔ (۲) شامی میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ انشاء صلوۃ مدنظر رہنا چاہئے، اخبار اور حکایت نہیں (۳) ان دونوں قولوں میں کون صحیح ہے؟ دوسرے یہ انشاء صلوۃ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب بالواسطہ ہوگا یا بلا واسطہ، اگر بالواسطہ ہوگا تو اس کی تصریح کہاں ہے اور اگر بلا واسطہ ہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وتعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں؟ صاحب جوہرہ کون ہیں، ان کے ہمنوا اس مسئلہ میں کون کون ہیں؟

(۱) ''عن شقیق بن سلمة قال: قال عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه: کنا إذا صلینا خلف النبی صلی الله تعالی علیه وسلم قلنا: السلام علی جبرئیل و میکائیل، السلام علیٰ فلان وفلان، فالتفت إلینا رسو ل الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: إن اللّٰه هو السلام، فإذا صلی أحدکم فلیقل: التحیات للّٰه والصلوات والطیبات، السلام علیک أیها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته، السلام علینا وعلیٰ عبادالله الصالحین، فإنکم إذاقلتموها أصابت کل عبد للّٰه صالح فی السماء والأرض، أشهد أن لاإلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله''. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب التشهد فی الآخرة: ۱/۱۱۵، قدیمی، سعید) (ح: ۸۳۱) انیس)

(۲) قوله: السلام علیک أیها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته): أی ذلک السلام الذی سلمه الله علیک لیلة المعراج، فهٰذا حکایة عن ذلک السلام لا إبتداء السلام، ومعنی السلام: أی السلامة من الآفات''. (الجوهرة النیرة علیٰ المختصر القدوری، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۶۵، حقانیة، ملتان)

(۳) ''(ویقصد بالفاظ التشهد) معانیها مرادةً له علیٰ وجه (الإنشاء) کأنه یحییٰ اللّٰه تعالیٰ ویسلم علیٰ نبیه وعلیٰ نفسه وأولیائه، (لاالإخبار)''. (الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاةإلیٰ انتهائها: ۱/۵۱۰، سعید)

الجو اب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

شامی کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے۔خطاب حاضر وناظر جان کر نہیں، بلکہ اس اعتقاد کے ماتحت ہے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے پیش کیا جائے، جیسا کہ خط میں کسی کو خطاب کیا جاتا ہے اور یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ مکتوب الیہ حاضر ہے، بلکہ یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ڈاک کے ذریعہ سے یہ خط مکتوب الیہ کے پاس پہونچ جائے گا، حدیث شریف میں موجود ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقرر فرمار کھے ہیں جو درود وسلام پہونچاتے ہیں'' البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر جو درود وسلام پڑھا جائے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔(۱)

''عن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ علیه وسلم: ''إن للّٰہ ملائکة سیاحین فی الأرض یبلغونی من أمتی السلام''. (للنسائی)(۲)

''عمار بن یاسر- إن اللّٰہ وکّل بقبری ملکاأعطاہ أسماع الخلائق، فلایصلی علیٰ أحد إلیٰ یوم القیامة إلا أبلغنی باسمه واسم أبیه ھٰذا فلان بن فلان قد صلیٰ علیک''. (للبزار بضعف)

''(عبداللّٰہ بن دینار) رأیت ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما یقف علیٰ قبر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فیصلی النبی صلی اللّٰہ وتعالیٰ علیه وسلم وأبی بکر وعمر''. لمالک، آھ. (جمع الفوائد: ۲۷۲/۲-۲۷۳)(۳) **فقط واللّٰہ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۳/۵-۶۳۴)

الفاظ تشہد میں اضافہ:

سوال: التحیات میں ''**أشھد أن لا إله إلا اللّٰہ**'' کے بعد ''**وحدہ لاشریک له**'' پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ یہ سنت ہے یا نہیں؟ (حافظ علی احمد، گودھام)

(۱) عن أبی ھریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ''من صلی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلیٰ علی نائیاً ابلغته''. (رواہ البیھقی فی شعب الإیمان)(مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم وفضلھا: ۸۷/۱، قدیمی) (ح: ۹۳٤)انیس)

(۲) سنن النسائی، کتاب السھو، باب السلام علی البنی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ۱۸۹/۱، قدیمی)(ح: ۱۲۸۱)انیس)

(۳) جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد، کتاب الأذکار والأدعیة، الأستغفر والتسبیح و التھلیل والتکبیر والتحمید والحوقلة والصلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: ٤٧٥/۲، المکتبة الإسلامیة سمندری فیصل آباد، پاکستان)

مسند البزار، ابن الحمیری عن عمار (ح: ١٤٢٥)/موطأالإمام مالک، ت: الأعظمی، باب ماجاء فی الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم (ح: ٥٧٤)انیس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

اس جگہ "وحده لاشريك له" پڑھنا بعض روایات میں آیا ہے، (۱) لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں نہیں، (۲) اسی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۲/۵)

(۱) عن أبي بشر سمعتُ مجاهدًا، يحدث عن ابن عمر عن رسول الله تعالىٰ عليه وسلم في التشهد التحيات لله والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته. قال: قال ابن عمر: زدت فيها وبركاته السلام علينا وعلىٰ عباد الله الصالحين أشهد أن لاإله إلاالله. قال ابن عمر: زدت فيها: وحده لاشريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة بعدالتشهد: ١٤٦/١، مكتبة إمدادية) (ح: ٩٧١) انيس)

(۲) عن شقيق بن سلمة قال: قال عبدالله رضي الله تعالىٰ عنه: كنا إذاصلينا خلف النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: السلام علىٰ جبرئيل وميكائيل، السلام علىٰ فلان وفلان، فالتفت إلينا رسول الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "إن الله هو السلام، فإذاصلى أحدكم فليقل: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيهاالنبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلىٰ عبادالله الصالحين، فإنكم إذاقلتموها أصابت كل عبد لله صالح في السماء والأرض أشهد أن لاإلٰه إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله". (صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب التشهد في الآخرة: ١٥٥/١، قديمي (ح: ٨٣١) انيس)

(۳) ويقرأ تشهد ابن مسعود رضي الله تعالى عنه وجوباً كما بحثه في البحر، لكن كلام غيره يفيدندبه، وجزم شيخ الإسلام الجدبأن الخلاف في الأفضلية، ونحوه في مجمع الأنهر". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ٥١٠/١، سعيد)

☆ تشہد میں "وحده لاشريك له" کے الفاظ بڑھانا:

سوال: اگر کوئی تشہد میں " أشهد أن لا اله إلا الله" کے بعد "وحدہ لاشریک لہ" کا اضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد مختلف طرق سے ثابت ہے، بعض روایات میں "وحده لا شريك له" إلخ، کا پڑھنا بھی ثابت ہے، مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اس میں نہیں ہیں، اس لئے ان کا پڑھنا مناسب نہیں تاہم اگر کوئی ان الفاظ کو پڑھتا ہے تو اس کی نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لماأخرجه أبوداؤد: من حطان بن عبد الله الرقاشي، بهٰذا الحديث، زاد فإذا قرأ فانصتوا وقال في التشهد بعدأشهد أن لا إلٰه إلاالله زاد وحده لا شرك له. (أبوداؤد، باب التشهد: ١٤٠/١) / (ح: ٩٧٣) انيس /

(عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم في التشهد... أشهد أن لا إلٰه إلا الله قال ابن عمر زدت فيها وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. (التلخيص الحبير، باب صفة الصلوة: ٢٦٦/١) (فتاویٰ حقانیہ: ۹۹/۳)

تحیات میں انگلیوں کا حلقہ:

سوال: التحیات میں کلمۂ شہادت کے اوپر انگلی کا حلقہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

التحیات میں انگشت وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ کرنا اور انگشت سبابہ سے اشارہ کرنا سنت ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۱-۱۶۲)

بوقت اشارہ انگلیوں کا حلقہ کرنا جائز ہے یا نہیں:

سوال: نزدیک امام اعظمؒ کے بوقتِ تشہد وسطیٰ اور ابہام کا حلقہ کر کے اور خنصر و بنصر کو بند کر کے اشارہ کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب

''اَشارہ بالسبابہ'' کی تشہد میں یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے کہ 'ابہام' اور 'وسطیٰ' کا حلقہ کرے 'بنصر' اور 'خنصر' کو بند کرے، کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کو لکھا ہے اور یہ جائز ہے اور شامی میں ہے:

فلذا قال في منية المصلي: فإن أشار يعقد الخنصر و البنصر ويحلق الوسطى بالإبهام، الخ. (۲)

اور درمختار میں نقل کیا ہے:

''الصحيح أنه يشير بمسبحة وحدها يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات، إلخ. (۳)

یعنی انگشت سبابہ کو ''لا إله'' کے ساتھ اٹھاوے اور ''إلا الله'' پر رکھ دے۔ فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۱-۱۹۲)

اشارہ کرنے کے لئے حلقہ کب بنایا جائے:

سوال: تشہد میں بیٹھتے ہی انگلیوں کا حلقہ بنالینا چاہئے یا جب ''أشهد أن لا إله إلا الله'' پڑھیں، تب شہادت کی انگلی اٹھائیں اور باقی انگلیوں کا حلقہ بنائیں، فقہ حنفی کے مطابق جواب عنایت فرمائیں؟

(سائل: ممتاز احمد قاسمی)

---

(۱) لكن المعتمد، إلخ، أنه يشير لفعله عليه الصلاة و السلام (الدر المختار) فهو صريح في أن المفتى به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع، إلخ. (ردالمحتار: ۱/۴۷۵، ظفير. كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۵، ظفير) (فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۴، ظفير، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جب تشہد پر پہنچے، تب حلقہ بنائے۔

"**والعقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوىٰ فالظاهر يجعل المعقودة إلىٰ جهة الركبة، إلخ.** (طحطاوى:١٤٧) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفااللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان-۲۳/۴/۱۴۰۹ھ-(خیر الفتاویٰ:۲۶۱/۲)

انگلیوں کا حلقہ تشہد میں کب تک باقی رکھے:

سوال: نماز کے اندر قعدہ میں جب انگشت شہادت اٹھاتا ہے تو اور چار انگلیوں کو بند کرنا ہوتا ہے، بعد تشہد کے تا سلام ان انگلیوں کو ویسا ہی رکھنا چاہئے یا کھول کر؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

"لا إلٰه إلا الله" کہنے کے وقت جب کہ عقد اصابع یا ان کا حلقہ کر لیا ہے تو پھر اس کو فارغ ہونے تک ویسا ہی رکھنا چاہئے۔

كما نقل الشامي عن المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت بـه الأثار والأخبار فالعمل به أولىٰ، انتهىٰ. فهو صريح في أن المفتىٰ به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع علىٰ الكيفية المذكورة. (ردالمحتار، المجلد الأول)(۱)

اس طرح کی متعدد عبارتیں ہیں کہ جن میں عقد اصابع و اشارہ کے بعد اس کے کھولنے کا ذکر نہیں، جو کہ اس کی صریح دلیل ہیں کہ بعد عقد کھولنا مناسب نہیں۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۰۲/۲)

تشہد میں کب تک حلقہ بنائے ہوئے انگلی اٹھائے رکھے:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم میں لکھا ہے کہ تشہد پڑھتے وقت جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھا دیوے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رہے؛ لیکن یہاں کے چند ملا صاحبان اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ شافعی مذہب کا ہے، حنفی مذہب میں آخر تک انگلی کو اٹھائے رکھنا، کسی کتاب میں نہیں ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اردو کی کئی ایک کتابیں مجھے دکھلائیں، (جن میں شامی وکبیری وغیرہ کا حوالہ ہے) جس میں لکھا ہے کہ بروقت کہنے "أشهد أن لا إلٰه" کے انگلی کلمہ کی اٹھاوے اور جب "إلا الله" زبان سے کہے، اس وقت انگلی کو گرا دے۔

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ٤١٤/١، ظفير

عن عبدالله بن الزبير أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا تشهد وضع يده اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ ووضع يده اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ وأشار بأصبعه السبابة لا يجاوز بصره إشارته. (صحيح ابن حبان، ذكر وصف ما يجعل المرء أصابه عندالإشارة (ح:١٩٤٤) انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ذرا جھکاوے، یہ معنیٰ ہیں گرانے کے اور حلقہ بنائے رکھے اور بالکلیہ نہ گراوے۔(۱)

صرح به ملا علی القاری فی رسالة "تزئین العبارة لتحسين الإشارة".

۱۴/ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ صفحہ:۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۱۴/۱)

تشہد میں آخر نماز تک ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنائے رکھنے اور اشارہ کی انگلی کو اسی طرح باقی رکھنے کی تحقیق:

سوال: رفع سبابہ (۲) کو سلام کے وقت تک رکھنے کی کیا دلیل ہے، میں نے بہت تلاش کی، مگر نہ ملی بلکہ مولانا عبدالحی صاحب نے "**التعلیق الممجد**" میں ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے:

والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أن يضع كفيه علىٰ فخذيه ثم عند وصوله إلىٰ كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والإبهام ويشير بالمسبحة رافعاً لها عند النفي واضعاً عند الاثبات ثم يستمر علىٰ ذٰلك لأنه ثبت العقد عند ذٰلك بلا خلاف ولم يوجد أمر بتغييره فالأصل بقاء الشيء علىٰ ما هو عليه. (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ صرف نفی کے وقت ہونا چاہئے، بعدہ اس کا وضع چاہئے اور اسی طرح حلق مع وضع سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے اور جو حدیث ترمذی کے (ابواب الدعوات، ترمذی شریف: ۱۹۹/۲) میں ہے، اس سے رفع سبابہ إلیٰ آخر الصلوٰۃ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض اُصابع وبسط سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے، بہرکیف رفع سبابہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کی کوئی روایت باوجود سعی کے نظر سے نہ گزری۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

واقعی بقاء اشارہ میں روایت (۴) ترمذی کی صریح نہیں، گو محتمل ہے اور ملا علی قاریؒ کی عبارت کا مدلول بھی واقعی قبض

---

(۱) اس جواب سے رجوع فرمالیا گیا ہے، جو سوال "تشہد میں آخر نماز تک ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنائے رکھنے اور اشارہ کی انگلی کو اسی طرح باقی رکھنے کی تحقیق" میں آرہا ہے۔ سعید

(۲) حضرت مجیب قدس سرہ کا ۱۳۳۳ھ کا ارقام فرمودہ فتویٰ سوال نمبر: ۱۹۸ پر آرہا ہے، (یہاں اس سے اوپر رکھ دیا گیا ہے۔ انیس) جس کا حاصل یہ ہے کہ سبابہ کو ذرا جھکادے، بالکلیہ نہ گرادے، بلکہ سلام پھیرنے تک اشارہ باقی رکھے۔ یہاں سائل اس فتویٰ پر نقد کررہا ہے، چنانچہ حضرت مجیب قدس سرہ نے زیر نظر سوال کے جواب میں جو یکم صفر ۳۵ھ کا مرقوم ہے، اپنے سابق فتویٰ سے جو ۳۳ھ کا مرقوم تھا، رجوع فرمالیا ہے۔

اس کے بعد سوال نمبر ۱۹۷ میں اس سلسلہ میں طویل بحث آرہی ہے، جس میں سائل نے حضرت مجیب قدس سرہ کے رجوع پر نقد کیا ہے اور ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدہ کے دلائل بیان کئے ہیں؛ لیکن حضرت مجیب اپنے رجوع پر برقرار رہے ہیں اور سائل کی تمام دلیلوں کے جوابات دیئے ہیں۔ سعید احمد

(۳) **التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد، باب العبث بالحصى فى الصلاة وما يكره: ٤٦٣/١، دار القلم دمشق. انيس**

(۴) ترمذی شریف، ابواب الدعوات: ۱۹۹/۱، باب) کی یہ روایت سوال نمبر: ۱۹۷ کی وجہ ثانی میں آرہی ہے

==

اصابع وبسط سبابہ ہی کا بقا ہے نہ کہ اشارہ کا پس بہشتی زیور کے مضمون سے رجوع کرتا ہوں اور اس کو اس طرح بدلتا ہوں تشہد میں ''لاإلٰــہ'' کے وقت انگلی اٹھاوے اور ''إلا اللّٰــہ'' پر جھکاوے مگر عقد اور حلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے، **وجزاکم اللّٰه علیٰ هٰذا التنبیه.**

یکم صفر ۱۳۳۵ھ۔ (ترجیح جلد نمبر:۵، ص:۲)

جواب بالا سے متعلق سوال وجواب:

سوال: سائل- ایک طالب علم سے مسموع ہوا کہ جناب والا نے ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین سے رجوع فرمالیا ہے، بندہ کو اس میں شبہ ہے جو بغرض حل عرض ہے، امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔

تقریر شبہ کی یہ ہے کہ رفع عند النفی ووضع عند الاثبات جسے صاحب محیط وبرہان ودرمختار وعلی متقی وملا علی قاری اور ان کے اتباع میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی ومولانا عبد الحی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے، اس کا ثبوت کسی حدیث یا اثر یا روایت عن الائمہ سے نہیں ملتا، سوائے اس کے کہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے مروی ہے اور نکتہ رفع للنفی ووضع للاثبات کو متضمن ہے۔

مجیب- شمس الائمہ حلوانی حسب تصریح شامی فقہا کے طبقہ ثالثہ سے ہیں کہ ہمارے لئے ان کا بلکہ ان کے مابعد والوں کا قول بھی حجت ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

وأما نحن فعلینا اتباع مارجحوه وما صححوه، إلخ. (۱)

پھر دوسرے مصنفین کثیرین کا نقل کرنا دال ہے کہ یہ قول منصوص اور معتمد ہے، شاذ یا مرجوح نہیں۔ اس لئے صاحب تزیین العبارۃ نے اس کو جمہور کا قول کہا ہے:

وقالوا (أی جمهور علمائنا): یرفع المسبحة عند قول لاإله ویضعها عند قول إلا اللّٰه، إلخ. (ص:۳)

اور ایک جگہ کہا ہے:

الصحیح المختار عند جمهور أصحابنا أنه یضع (إلیٰ قوله) ویشیر بالمسبحة رافعاً لها عند النفی واضعاً لها عند الاثبات. (ص:۱۷)

پس ہم کو مقلد ہونے کی حیثیت سے ان کی مخالفت یا ان سے مطالبۂ دلیل کی گنجائش نہیں۔

== اور ملا علی قاریؒ کی عبارت سے وہ عبارت مراد ہے جو سوال میں ذکر کی گئی ہے۔ حضرت مجیبؒ کا سابق فتویٰ مرقومہ ۳۳ھ دربارۂ ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدۃ ملا علی قاریؒ کی اسی عبارت سے مستفاد تھا، لیکن عبارت کا مطلب سمجھنے میں تسامح ہوا تھا اب اس کا صحیح مطلب سمجھ میں آیا ہے اس لئے سابق فتویٰ سے رجوع کیا گیا ہے۔ سعید احمد

(۱) الدر المختار، مقدمة قبل، کتاب الطهارة: ۷۷/۱

فی رد المحتار تحت قول الدر المختار: کما لو أفتونا فی حیاتهم مانصه: أی کما نتبعهم لو کانوا إحیاء و أفتونا بذٰلک فإنه لا یسعنا مخالفتهم. (۸۰/۱)(۱)

البتہ اگر اس کے مقابل مذہب میں دوسرا قول بھی منقول ہوتا تو اس کی ترجیح ممکن تھی یا کوئی صحیح وصریح حدیث اس کے خلاف ہوتو پھر اس قول کا ترک واجب ہوتا اور اگر روایات حدیثیہ میں غور کیا جائے تو تخصیص اشارہ بوقت تہلیل کا پتہ بھی لگتا ہے۔

فی تزئین العبارۃ عن معا ذ بن جبل وفیه یشیر بأصبعه إذا دعا. (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۹)(۲)

اور دعا کی تفسیر تشہد کے ساتھ مسلم ہے اور ظاہر ہے کلمۂ اذا توقیت کے لئے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل کے وقت تھا، پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہوجاوے گا اور یہی حاصل ہے رفع عند النفی ووضع عندالاثبات کا اور ابوداؤد ونسائی کی روایت میں ہے:

رافعاً أصبعه السبابة وقد حناها شیئاً أی أمالها. (تزئین، ص: ۸)(۳)

اور اشارہ میں انگلی کا سیدھا ہوجانا مشاہد ہے۔ پس یہ انحناء اس وقت ہوسکتا ہے کہ اشارہ تو نہ رہے؛ لیکن ہیئت عقد کی باقی رہے، پس اس سے دو امر ثابت ہوئے، ایک اشارہ کا آخر تک مستمر نہ رہنا، دوسرے عقد کا مستمر رہنا، پھر عدم استمرار اشارہ کی تفسیر اوپر کی حدیث "**إذا دعا**" سے ہوگئی۔

سائل: بخلاف ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین کے کہ اس کے ثبوت میں متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں، جن میں چند عرض ہیں۔

وجہ اول روایت ترمذی مندرجہ وجہ ثانی کو ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تزئین العبارۃ میں نقل کرکے فرماتے ہیں:

وروی أبویعلٰی نحوہ (أی نحو ماروی الترمذی الاٰتی فی الوجه الثانی) وقال فیه بدل بسط: یشیر بالسبابة، انتهٰی، (۴) وهٰکذا نقل الشامی فی رفع التردد عن تزئین العبارۃ۔

یہ حدیث ابویعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو آخر سلام تک باقی رکھنے پر صراحۃً دال ہے۔

مجیب: اس روایت کی مجھ کو تحقیق نہیں، اگر یہ قواعد کے موافق قابل احتجاج ہوتو بے شک اس پر عمل اور اس قول

---

(۱) الدر المختار، مقدمة قبل کتاب الطهارۃ: ۷۷/۱

(۲) رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر عن عبداللّٰه بن الزبیر، معجم عبد اللّٰه بن الزبیر بن العوام (ح: ۱٤۸۲۱) انیس

(۳) سنن أبی داؤد، باب الإشارۃ فی التشهد (ح: ۹۹۱)/ سنن النسائی، باب إحناء الالسبابة فی الإشارۃ (ح: ۱۲۷٤) انیس
عن عبداللّٰه بن الزبیر أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قعد فی التشهد قال: هکذا - ووضع یحیٰ یدہ الیمنٰی علٰی فخذہ الیمنٰی والیسریٰ علی فخذہ الیسریٰ وأشار بالسباحة ولم یجاوز بصرہ إشارته. (مسند أبی یعلیٰ الموصلی، مسند عبداللّٰه بن الزبیر (ح: ٦۸۰۷) انیس)

مشہور کا ترک ضروری ہے اور جب تک احتجاج ہونا ثابت نہ ہو تو اس کا وجود کا لعدم ہے اور اس قول کے ترک کی کوئی وجہ نہیں تو روایت ابویعلیٰ کے رجال کی تحقیق کرنی چاہئے۔

سائل: وجہ ثانی: **عن عاصم بن كليب عن أبيه عن جده قال دخلت علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يصلي وقد وضع يده اليسرىٰ علىٰ فخذه اليسرىٰ ووضع يده اليمنىٰ وقبض أصابعه وبسط السبابة وهو يقول يا مقلب القلوب ثبت قلبي علىٰ دينك.** (رواه الترمذي أبواب الدعوات: ۲/۱۹۹)

یہ روایت بھی روایت ابویعلیٰ کی مؤید ہے، اس لئے کہ عند العقد والتحلیق سبابہ ذرا خمیدہ ہو جاتی ہے، بسط نہیں رہتا تاوقتیکہ ذرا اٹھائی نہ جائے۔

مجیب: یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سائل: پس اس روایت کا بھی مطابق نہ سہی التزامی مدلول استمرار اشارہ ہوگا، یہی وجہ ہے، جو رواۃ ماتحت میں سے کسی نے یشیر بالسبابۃ سے اور کسی نے بسط السبابۃ سے تعبیر کر دیا۔

مجیب: اس کے مبنیٰ کا خلافِ مشاہدہ ہونا مذکور ہو چکا۔

سائل: وجہ ثالث: **عن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا جلس في الصلوٰة وضع يديه علىٰ ركبتيه ورفع أصبعه اليمنىٰ التي تلي الإبهام ودعا بها.** (الحديث) وروا مسلم وأبوداؤد والترمذي.(۱)

وفي شرح معاني الآثار عن وائل بن حجر الحضرمي فلما قعد ... ثم عقد أصابعه وجعل حلقه بالابهام والوسطىٰ ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ. (۲)

یہ احادیث بھی دعا کے وقت اشارہ کرنے پر دال ہیں اور اگر احادیث مذکورہ میں دعا سے دعا آخر صلوٰۃ مراد نہ لی جاوے اور دعا بمعنیٰ تشہّد یا تہلیل مراد لی جاوے تب بھی رفع عند النفی ووضع عند الاثبات درست نہیں ہوتا، اس لئے کہ طحاوی وغیرہ نے **ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ** روایت کی جو استمرار پر دال ہے اور یہ اس میں مقصود ہے۔

مجیب: دلالت علیٰ الاستمرار غیر مسلم ہے۔

سائل: وجہ رابع: امام طحاویؒ حدیث "**ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ**" سے عدم تورک فی القعدۃ الاخیرۃ پر استدلال کرتے ہیں اور یہ تب ہی مستقیم ہوسکتا ہے کہ حدیث "**ثم جعل يدعوا**" میں دعاء آخر صلوٰۃ مراد ہو، پس اس سے طحاوی کا بھی استمرار اشارہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کا قائل ہونا لازم آئے گا۔

(۱) الصحيح لمسلم، باب صفة الجلوس في الصلاة وكيفية وضع اليدين (ح: ۵۸۰)/سنن أبي داؤد، باب الإشارة في التشهد (ح: ۹۸۷)/سنن الترمذي، باب ماجاء في في الإشارة (ح: ۲۹٤)انیس

(۲) شرح معاني الآثار، باب صفة الجلوس في الصلاة كيف هو؟ (ح: ۱۵٤۲)انیس

فی شرح معانی الآثار: قال أبو جعفر: فهٰذا یوافق ما ذهبوا إلیه من ذٰلک وفی قول وائل ثم عقد أصابعه یدعو ادلیل علٰی أنه کان فی آخر الصلوٰة. (۱)

مجیب: یدعو کی تفسیر میں طحاوی کا قول حجت لازمہ نہیں۔

سائل: وجہ خامس: **عن بشر أنه سمع ابن عمر یقول: إن رفعکم أیدیکم فی الصلوٰة لبدعة واللّٰه ما زاد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی هٰذا یعنی بأصبعه.** (رواه ابن أبی شیبة)(۲)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشارہ فی الصلوٰۃ قائم مقام رفع یدین کے ہے اور ظاہر ہے کہ "**رفع یدین مع بسطهما**" سوال کے لئے موضوع ہے، نہ کہ تہلیل کے لئے کہ عادۃً سائل مسئول عنہ کی طرف ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے اور شریعت نے بھی اسے آداب دعا میں شمار کیا ہے، پس رفع یدین کا محل سوال ہی ہوگا، جس سے لازم آئے گا کہ اس کے نائب مناب (اشارہ بالسبابہ) کا محل بھی سوال؛ یعنی دعا آخر صلوٰۃ ہی ہو، یہ اور بات ہے کہ تہلیل مقدمہ دعا کا ہوکر کالجزء ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی محل رفع یدین میں داخل ہوگئی اور اس کے واسطہ سے محل میں اس کے نائب کے بھی داخل ہوگئی، الخ، اس لئے ابتداءِ تہلیل ہی سے حکم اشارہ ہوا، علاوہ ازیں اشارہ میں جہۃ نیابت لرفع الیدین کے ساتھ ایک دوسری جہۃ اشارہ (فعلیہ) الی التوحید والاخلاص کی تھی کہ بیہقی نے روایت کی:

"**أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بها للتوحید**". (۳)

اور ابن تیمی سے مروی ہے:

سئل ابن عباس عن تحریک الرجل أصبعه فی الصلوٰة، فقال: ذٰلک الاخلاص. (۴)

لہٰذا ابتدا تہلیل ہی سے حکم ہوا کہ ادب دعاء ادا ہونے کے ساتھ ایک دوسری غایت یعنی اشارہ الی التوحید والاخلاص بھی حاصل ہوکر قول وفعل میں مطابقت ہو جاوے، پھر لطف یہ کہ ان مقصدوں کے ساتھ اور فوائد بھی مثل **انقطاع طمع شیطان لإضلاله العبد والقائه فی الشرک** ۔ ورفع سہو وقمع شیطان وتخویف شیطان بھی مترتب ہوتے

(۱) شرح معانی الآثار، باب صفة الجلوس فی الصلاة کیف هو؟ : ۲۵۹/۱ (بعد رقم الحدیث: ۱۵۴۲) عالم الکتاب. انیس

(۲) وفی مسند الإمام أحمد، مسند عبداللّٰه بن عمر (ح: ۵۲٦٤) بلفظ: إن رفعکم أیدیکم بدعة ما زاد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی هذا یعنی إلی الصدر. (انیس)

(۳) عن مقسم بن أبی القاسم قال: حدثنی رجل من أهل المدینة قال: صلیت إلی جنب خفاف بن إیماء بن رخصة فرآنی أشیر بأصبعی فی الصلاة فقال: ابن أخی، لم تفعل هذا؟ قلت: إنی رأت خیار الناس وفقاء هم یفعلونه قال: قد أصبت، رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بأصبعه إذا جلس یتشهد فی صلاته وکان المشرکون یقولون: إنما یسحرنا، وإنما یرید النبی صلی اللّٰه علیه وسلم التوحید. (سنن البیهقی الکبریٰ، باب ماینوی مشیر بإشارته فی التشهد (ح: ۲۷۹۲) انیس)

(۴) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۲٤٤) انیس

ہیں کہ وارد ہوا: " **لَهِيَ أی الاشارة أشد علٰى الشيطان من الحديد**". (رواه البيهقي) (۱) اور وارد ہوا: " **هي مذبّة الشيطان لايسهو أحدكم مادام يشير بأصبعه**" (۲) اور وارد ہوا: "**تحريك الأصبع في الصلوٰة مذعرة للشيطان**". (رواه البيهقي) (۳)

الحاصل اشارہ بالمسبحہ قائم مقام رفع یدین للدعاء ہونے کی وجہ سے آخر سلام تک باقی رہے گا۔

مجیب: ابن عمرؓ کا قول اس میں صریح نہیں، یہ بھی معنیٰ ہوسکتے ہیں کہ حرکت رفع یدین ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اتنی حرکت سے زیادہ ثابت نہیں، پھر خواہ یہ حرکت کسی موقع پر ہو، اس سے روایت ساکت ہے اور دوسری روایات مبیّن ہیں کہ تشہّد کے وقت تھی، باقی احادیث مذکورہ وجہ ہٰذا کو، اگر ثابت بھی ہوں، مانحن فیہ سے کچھ مس نہیں اور حدیث اخیر کو تو ابن حجر نے ضعیف بھی کہا ہے، (کمافی المرقاۃ جلد اول: ۵۵۵) اور سائل نے جو تہلیل کو مقدمہ دعاء آخر صلوٰۃ ہونے کا سبب محل اشارہ ٹھہرایا ہے، اگر یہ امر صحیح ہوتا تو قعدۂ اولیٰ میں اشارہ نہ ہوتا کہ وہاں تہلیل مقدمۂ دعاء نہیں ہے، **وهو كما ترىٰ**. دوسرے دعاء آخر صلوٰۃ مؤکد نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کے ترک پر اشارہ عبث ہو، **وهو كما ترىٰ**.

سائل: وجہ سادس: جبکہ احادیث صحیحہ کثیرہ وآثار صحابہؓ سے سنّیت اشارہ ثابت ہوگئی اور اس کے مقابلہ میں کوئی حدیث یا اثر صحیح کیا ضعیف بھی ایسا نہیں پایا گیا، جو سنیتِ اشارہ کا نافع ہو تو قیاس جلی یوں چاہتا ہے کہ سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک یوں ہی مستمر وباقی رہے کہ اصول کا مسئلہ ہے، شیء اپنی حالتِ سابقہ پر باقی رہتی ہے، تاوقتیکہ کوئی امر مغیر نہ پایا جاوے، پس حکم سنیت اشارہ آخر قعدہ تک مستمر وباقی رہے گا۔

مجیب: یہاں مغیر نہ پایا جانا یقینی نہیں، طبقہ ثالثہ کا فتویٰ دلیل ظنّی ہے، وجود مغیر کی، دوسرے ایک قیاس اس کا معارض بھی ہے، وہ یہ کہ اصل عدم اشارہ ہے اور اشارہ للعارض ہے، پس ارتفاع عارض سے اشارہ مرتفع ہو جاوے گا، جیسا رفع یدین کہ اصل نماز میں اس کا عدم ہے، مگر عارض انتقال سے اس کا تحقق ہوتا ہے، پھر اس کے ارتفاع سے وہ رفع بھی مبدل بوضع یا ارسال ہو جاوے گا، ورنہ سائل کے قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مثلاً وتر کی رکعت ثالثہ میں جو بعد قرأت کے رفع یدین کیا جاتا ہے اور اس کے بعد وضع یا ارسال روایت میں منقول نہیں، تو چاہئے کہ وہی ہیئت رفع کی رکوع کے وقت تک مستمر رکھے اور قنوت اسی ہیئت رفع کی حالت میں پڑھا جاوے، فافہم، البتہ اس قیاس سے تزئین میں استمرار ہیئت عقد میں کام لیا ہے:

---

(۱) مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب (ح: ٦٠٠٠) انیس

(۲) مسندالحميدى، أحاديث عبدالله بن عمر بن الخطاب ح: ٦٦٣) دار السقا دمشق، انیس

(۳) السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب من رأى أنه أشار بها ولم يحركها (ح: ٢٧٨٨) انیس

"ویشیر بالمسبحة رافعاًلها عند النفی وواضعاً لها عند الاثبات ثم یستمر علٰی ذلک لأنه ثبت العقد عند الاشارة بلاخلاف ولم یوجد أمر یغیره فالأصل بقاء الشیء علٰی ما هو علیه واستصحابه إلٰی آخر أمره وماله إلیه هٰذا. (ص:۱۷)

اوراس قیاس کا کوئی معارض بھی نہیں، بلکہ ترمذی کی حدیث اس کی مؤید ہے، پس استمرار عقد میں اس قیاس پرعمل ہوگا۔

سائل: وجہ اصابع ایسے ہی جبکہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ ابوحنیفہ، صاحبین رحمہم اللہ سے حکم سنّیت اشارہ بروایت معتبرہ ثابت ہوگیا اوراس کے مقابلہ میں کوئی رافع نہیں پایا گیا تو حکم سنّیت اشارہ بنابر مذہب ائمہ کےبھی آخر تک باقی رہے گا۔

مجیب: **فیه ما قد مر فی الجواب عن الوجه السابق.**

التماس (۱) تزئین العبارۃ اگر وہاں ہو تو تکلیف فرما کر یہاں عاریۃً بھیج دیجئے، (۱) اُس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۲) یہاں کتابیں نہیں ہیں، مجھ کو روایت مذکورہ وجہ اوّل سے کچھ تردد ہوگیا، اگر وہاں کے حضرات سے سب اجزاء کی تحقیق کر کے اخیر بات طے کر لی جاوے، میں اس کا اتباع کروں گا۔

۱۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ۔ (ترجیح، ج:۵، ص:٦) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰٦-۲۱۴)

تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے:

سوال: تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے، علماءِ احناف میں اختلاف ہے، بعض مستحب فرماتے ہیں اور خلاصہ کیدانی میں حرام لکھا ہے، وہ معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب

معتبر فقہا نے رفع سبّابہ کو سنت لکھا ہے، درمختار میں چند کتب کا حوالہ دیکر اس کو سنت ثابت کیا ہے اور عدم رفع کو خلاف روایت ودرایت لکھا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطأ میں مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا رفع سبّابہ لکھا ہے، پس خلاصہ کیدانی وغیرہ کے حوالہ سے اس کو حرام کہنا غلط ہے اور تفصیل اس کی کتب فقہ میں موجود ہے۔ درمختار، شامی، فتح القدیر وغیرہ کو دیکھنا چاہئے، خلاصہ کیدانی کے قول کا اس بارہ میں اعتبار نہ کیا جاوے، اس نے صریح غلطی کی ہے کہ فعل سنت کو حرام لکھا۔ فقط (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۷۲-۱۷۳) ☆

(۱) چنانچہ وہ رسالہ مل گیا، اس کو دیکھ کر جواب ہذا میں کہیں کہیں اضافہ بھی واقع ہوا ہے۔ منہ

(۲) (ولایشیر بسبابته عند الشهادة وعلیه الفتویٰ) کما فی الولوالجیة والتجنیس وعمدة المفتی وعامة الفتاویٰ، لکن المعتمد ماصححه الشراح، ولاسیما المتأخرون کالکمال و الحلبی والبهنسی والباقلانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله علیه الصلوٰة والسلام ونسبوه لمحمد والإمام، ==

== بل فی متن در ر البحار و شرحه غرر الأذكار : المفتیٰ به عندنا أنه يشير باسطاً أصابعه كلها،وفی الشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفی ويضعها عند الإثبات،واحترز بالصحيح عما قيل لا يشير،لأنه خلاف الدراية و الرواية وبقولنا بالمسبحة عما قيل يعقد عندالإشارة،آه.وفی العينی عن التحفة:الأصح أنها مستحبة،وفی المحيط:سنة.(الدر المختار)

وفی المحيط أنها سنة يرفعها عند النفی ويضعها عند الإثبات هوقول أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله وكثرت به الآثاروالأخبار فالعمل به أولیٰ،آه.فهوصريح أن المفتی به هو الإشارة بالمسبحة،إلخ.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۴۷۴/۱،ظفير)(كتاب الصلاة،قبيل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد ، انيس)

☆ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا:

سوال: تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا مسنون ہے یا نہیں؟

الجواب

روایات متعلق رفع سبابہ یہ ہیں:

فی الدر المختار:لٰكن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلٰوة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار : المفتیٰ به عندنا أنه يشير،إلخ،وفی الشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه يشير بمسبحته وحدها يرفعها عند النفی ويضعها عند الإثبات،واحترز بالصحيح عما قيل لايشير لأنه خلاف الدراية والرواية،إلخ. (الدرالمختار)(الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۴۷۴/۱،ظفير)(فروع بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل،انيس)

اور شامی میں ہے:

وفی المحيط:أنها سنة،يرفعها عند النفی،ويضعها عندالإثبات وهوقول أبی حنيفة و محمد رحمهما اللّٰه وكثرت به الآثاروالأخبارفالعمل به أولیٰ،آه،فهوصريح فی أن المفتی به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع،إلخ.

وقال فی الشرح الكبير:قبض الأصابع عندالإشارة هو المروی عن محمدرحمه اللّٰه فی كيفية الإشارة وكذا عن أبی يوسف رحمه اللّٰه فی الأمالی وهذا فرع تصحيح الإشارة وعن كثيرمن المشائخ لايشير أصلاً وهوخلاف الدراية والرواية فعن محمد رحمه اللّٰه أن ماذكره فی كيفية الإشارة قول أبی حنيفة رحمه اللّٰه انتهیٰ ومثله فی فتح القدير،وفی القهستانی وعن أصحابنا جميعاً أنه سنة فيحلق إبهام اليمنیٰ ووسطاها ملصقاً رأسها برأسها،ويشير بالسبابة إلخ.(ردالمحتار: ۳۲۴،المجلدالأول)(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبيل مطلب مهم فی عقدالأصابع عند التشهد: ۳۷۴/۱،ظفير)

(ان روایات سے معلوم ہوا کہ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا مسنون ہے،اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے سروں کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ظفیر) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۸۰/۲-۱۸۱) ==

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا کیسا ہے:

سوال: رفع سبابہ میں عقد شروع قعود وتشہد سے اور رفع وقت شہادت کے سنت صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ با وجود ثبوت اس کے عامل کو برا جاننا اور لا مذہب کہنا کیسا ہے اور یہ مذہب حنفیہ میں بھی ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

عمل رفع سبابہ کا تشہد میں سنت ہے، اس کے عامل کو برا جاننا ناز بوں امر ہے، حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرمائے اور حنفیہ بھی اس کی سنیت کے مقر ہیں، اس پر لا مذہب کہنا سخت نازیبا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ:۲۶۶) ☆

☆ **تشہد کے وقت انگلی اٹھانا:**

سوال: تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب

بعض نے اس کو مکروہ لکھا، مثلاً صاحب منیۃ المفتی اور بعض نے حرام، جیسا کہ خلاصہ کیدانی میں صراحت ہے اور بعض حضرات نے مستحب، چنانچہ تحفہ کے رمز الحقائق میں ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرنا ہی مختار ہے، چنانچہ عالمگیریہ میں خلاصہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے؛ لیکن یہ سب اقوال تحقیقی نہیں ہیں، صحیح مسلک یہ ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں لکھا کہ یہی میرا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ صحابہ کرام اور ائمہ سلف کا اس بارہ میں کوئی خلاف منقول نہیں اور جو شخص کہ اس کو حرام یا مکروہ کہتا ہے، وہ گنہگار ہے اور ملا علی قاریؒ نے اسی مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا اور خلاصہ کیدانی والے کی خوب خبر لی۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:

لو يعلم من الصحابة ولا من علماء السلف خلاف في هذه المسئلة ولا في جواز هٰذه الإشارة بل قال إمامنا الأعظم وصاحباه وكذا الإمام مالك والشافعي وأحمد وسائر علماء الأمصار و الأعصار أجمعين علٰى ماورد به صحاح الأخبار والآثار وقد نص عليه مشائخنا المتقدمون والمتأخرون فلا اعتداد لما عليه المخالفون ولا عبرة لما ترك هٰذا السنة الأكثرون من سكان ماوراء النهر وأهل خراسان والعراق والروم وبلاد الهند، انتهٰى (وعن المشايخ لا يشير أصلاً، وهو خلاف الدراية والرواية. (مرقاة المفاتيح، باب صفة الصلاة: ۲/ ۶۶۳، دار الفكر. انيس)

اور البحر الرائق میں ہے:

"ورجح في فتح القدير القول بإشارة وأنه مروى عن أبي حنيفة كما قال محمد فالقول بعدمها مخالف للرواية والدراية، وروا ها في الصحيح لمسلم من فعله صلى الله عليه وسلم وفي المجتبٰى: لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعًا في كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الأخبار والآثار كان العمل بها أولٰى، انتهٰى (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۱/ ۵۶۵، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۲۲)

تشہد میں انگلی اٹھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا نماز میں التحیات میں کلمہ کی انگلی اٹھانا مسنون ہے؟

الجواب

رفع سبابہ نماز میں سنت ہے، یعنی التحیات میں أشهد أن لا إلٰه الا اللّٰه پڑھنے کے وقت انگشت شہادت اٹھانا سنت ہے اور یہ علماءِ حنفیہ کے نزدیک بھی سنت ہے، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں پورے طور پر روایات نقل کی ہیں، اس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

"رفعها إلى القبلة لحديث رواه البيهقي وأن ينوي برفعها التوحيد والاخلاص لحديث فيه رواه البيهقي وأن لا يجوز بصره أشارته لاتباع المروي وأن يخصص الرفع بقوله لا إلٰه إلا اللّٰه كما في رواية مسلم وأن يستمر على الرفع إلى آخر التشهد كما قاله البعض واحترز به عن قول جمع بأن الأولىٰ عند الفراغ إعادتها، انتهىٰ، والأول هو المعمول لأن الاعادة يحتاج رواية.

ترجمہ: یعنی اور مسنون ہے یہ کہ اٹھائی جائے انگشت شہادت قبلہ کی جانب اور یہ حکم حدیث سے ثابت ہے، روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے اور مسنون ہے کہ جب انگشت شہادت اٹھائی جائے تو نیت توحید اور اخلاص کی کرے اور یہ حکم بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی بیہقی نے روایت کی ہے اور مسنون یہ ہے کہ تجاوز نہ کرے نظر مصلی کی اس کے اشارہ سے، تاکہ حدیث کی اتباع ہو اور خاص اس وقت انگشت شہادت کو اٹھائے، جب لا إلٰه إلا اللّٰه پڑھے اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں ہے اور بعض علماءِ کرام کے نزدیک یہ ہے کہ آخر تشہد تک انگلی اٹھائے رہے اور یہ احتراز ہے ان لوگوں کے قول سے، جو کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ جب تشہد سے فارغ ہو تو پھر دوبارہ انگلی اٹھائے اور عمل اول قول پر ہے، اس واسطے کہ اس حکم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ کسی روایت سے ثابت ہو کہ تشہد سے فارغ ہونے کے بعد پھر دوبارہ انگلی اٹھانا چاہئے۔ (فتاویٰ عزیزی:۲۷۳)

☆ **اشارہ کے لیے انگلی اٹھانا:**

سوال: نماز میں جب لوگ التحیات میں "عبده ورسوله" پڑھتے ہیں تو داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

کلمے کی انگلی اٹھانا شہادتین پڑھنے کے وقت سنت ہے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور فقہ کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:

"ومثل هٰذا جاء عن علمائنا أيضا". (باب صفة الصلاة: ۱۳۸/۱، مطبع يوسفى لكهنؤ. انيس)

ترجمہ: اور ایسا ہی ہمارے علماءِ کرام سے بھی ثابت ہے۔

==

تشہد میں بحث رفع سبابہ:

سوال: تشہد میں رفع سبابہ کے متعلق علمائے احناف کا کیا مذہب ہے، آیا سنت ہے یا واجب یا مستحب اور کس وقت سے کس وقت تک رفع کیا جاوے، حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ اس کے خلاف کیوں فرماتے ہیں اور حلقہ بنانا کیسا ہے؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ رفع سبابہ تشہد میں سنت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے موطأ میں فرمایا ہے:

وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ الإمام محمد)

اور مستحب یہ ہے کہ نفی پر اٹھاوے اور اثبات پر رکھ دے۔

"وفي المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولى، آه. (۱)

اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بر بناء علی المتون عدم رفع کو راجح سمجھا ہے؛ لیکن جمہور فقہا و محدثین نے اس کے خلاف کی تصحیح فرمائی ہے اور شراح نے متون کی روایت کو صحیح اور مفتیٰ بہ نہیں سمجھا ہے اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع اور خلفا نے بھی قول امام ربانی کی تاویل فرمائی ہے اور اشارہ سبابہ کا سنت ہونا ثابت فرمایا ہے اور حلقہ کرنا ابہام اور وسطیٰ سے اور قبض کرنا خنصر اور بنصر کو اور اشارہ کرنا مسبحہ سے سنت ہے۔

"وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة والإبهام والوسطى ويقبض البنصر والخنصر ويشير بالمسبحة"، إلخ. (ردالمحتار) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۴-۲۰۵) ☆

== چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطأ میں اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ کی انگلی اٹھاتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بعد کہا کہ ہمارا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بعض کتب فقہ میں جو لکھا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت اشارہ کرنا منع ہے تو یہ قول محض غلط ہے اس واسطے کہ اس قائل نے اپنے پیغمبر خدا اور اپنے مجتہد کے خلاف کہا ہے۔ اس کے قول کا اعتبار نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی: ۴۶۸)

(۱-۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في تاليف الصلاة: ۱/۵۰۷، ظفير) (كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، انيس

☆ **رفع سبابہ کرنا چاہئے یا نہیں:**

سوال: رفع سبابہ اس طرف حنفی نہیں کرتے اور امام صاحبؒ کا ایک قول نہ کرنے کا حجت پکڑتے ہیں۔

الجواب

رفع سبابہ کے متعلق درمختار اور شامی نے پوری تفصیل فرمادی ہے اور رفع کو راجح کر دیا ہے اور بہت سی کتب سے ==

== اس کونقل کیا ہے، اس کے بعد مقلد کو خلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ موطا میں امام محمد رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ قول ہمارا اور ہمارے استاد امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔(لكن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبي و البهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام،إلخ،(الدر المختار على صدر رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفه الصلاة،فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل: ١/ ٤٧٤،ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۸۸)

انگشت شہادت سے اشارہ:

سوال: نماز میں انگشت شہادت کا اٹھانا کثرت احادیث سے ثابت ہے مگر فقہاء رحمہم اللہ معلوم نہیں کیوں منع فرماتے ہیں اور حرام کہتے ہیں۔ اگر مذہب حنفیہ میں جائز ہو تو تحریر فرمائیے۔

الجواب

فقہاءِ محققین حنفیہ نے بھی راجح اشارہ بالسبابہ کو فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ اور عمل ہے۔ درمختار میں ہے بعد نقل روایت منع کے:" لٰكن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار:المفتٰى به عندنا أنه يشير باسطاً أصابعه كلها،والشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه يشير بمسبحته وحدها إلخ وفي الشامي: فهو صريح في أن المفتٰى به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع على الكيفية المذكورة،إلخ. (ردالحتار: ١/ ٣٤١)(رد المحتار،باب صفة الصلاة: ١/ ٤٧٤،ظفير)(كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عندالتشهد،انيس) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۸۹-۱۹۰)

تشہد میں انگشت سے اشارہ:

سوال: سرحد کے علما تشہد میں انگشت اٹھانے سے منع کرتے ہیں کہ یہ فعل نماز میں نہ کیا جائے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ فعل کرنا نماز میں سنت سے ثابت ہوا ہے لہٰذا جس طور پر اشارہ ثابت ہوا ہے بہ سند صحیح تحریر فرماویں۔

الجواب

صحیح عند الحنفیہ یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور اس کے خلاف کو خلاف روایت اور درایت لکھا ہے۔ درمختار میں متعدد کتب کے حوالہ سے اشارہ بالسبابہ کی تصحیح فرمائی ہے۔ حيث قال بعد نقل قول عدم الإشارة:

"لٰكن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبي والبهنسي والباقاني وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله عليه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار:المفتٰى به عندنا أنه يشير إلخ،وفي الشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه يشير بمسبحة،إلخ،واحترز بالصحيح عماقيل لايشير لأنه خلاف الرواية والدراية،إلخ وفي العيني عن التحفة: الأصح أنها مستحبة،وفي المحيط:سنة.(الدر المختار)(الدر المختار على صدر ردالمحتار،باب صفة الصلاة : ١/ ٤٧٤،ظفير)(كتاب الصلاة،قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد،انيس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۹۴) ==

== رفع سبابہ اور حضرت مجدد صاحبؒ:

سوال: اکثر کتب فقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ التحیات میں انگلی سبابہ کا اٹھانا سنت وموجب ثواب ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی بھی اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس فعل کو مکتوبات نمبر:۳۱۲ میں حرام فرماتے ہیں۔ان دونوں حضرات میں سے کس کا قول معتبر ومستند ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اس میں صحیح ومستند یہ ہے کہ اشارہ بالسبابہ تشہد میں سنت ومستحب ہے۔جمہور امت اسی طرف ہیں اور درمختار میں عدم رفع سبابہ کی روایت نقل کر کے پھر اس کے خلاف کو بہت روایات اور دلائل سے سنت ہونا ثابت کیا ہے اور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطاً میں اپنا اور امام صاحبؒ کا سنیت رفع سبابہ کا مذہب نقل کیا ہے۔(تفصیلی حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ظفیر)

اور حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے بعض نے ان کی اولاد امجاد میں سے اور ان کے خلفا نے معذرت فرمائی ہے، بر بنا بعض روایات حنفیہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا فرمایا ہے۔لیکن امر محقق یہ ہے کہ رفع سبابہ سنت ہے اس کو ترک نہ کیا جاوے۔

هٰذا خلاصة ما فصله وحققه العلماء المحققون من الأحناف فلا إشكال فإن اختلاف الأمة رحمة من الله المتعال. فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۶)

رفع سبّابہ اور حضرت مجدد صاحبؒ:

سوال: جواب نمبر ۲۵۱۶ (یعنی مندرجہ بالا جواب) موصول ہوا، مخالفین نے الحمدللہ تسلیم کیا، مگر یہ کہا کہ کیدانی وغیرہ کے قول کو تمام علما نے رد کیا، مگر حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے مکتوب نمبر:۳۱۲ میں (کی شرح کرتے ہوئے) لکھا ہے بلکہ مکتوب کے حاشیہ پر قول امام محمدؒ در بارہ رفع سبّابہ کو رد کیا ہے اور عدم رفع کو ترجیح دی ہے، شرعاً اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد امجاد میں سے ہی بعض حضرات نے یہ تحقیق کی ہے کہ رفع سبابہ سنت سے ثابت ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا چاہئے اور جب کہ بہت سے فقہا محققین حنفیہ نے رفع سبابہ کو ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے، تو مقلدین حنفیہ کو اپنے فقہا کے قول کو لینا چاہئے، جیسا کہ خود حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں بہت جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے کہ!

''احکام شریعت میں ائمۂ مجتہدین اور فقہا کے قول کو لینا ضروری ہے، اس میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ اور دیگر اولیاء کبار اور مجتہدین فی الطریقہ کا قول معتبر نہیں اور ان کی تقلید جائز نہیں ہے''۔(والأصح كما في السراجية: أنه يفتى بقول الإمام على الإطلاق ثم بقول الثاني ثم بقول الثالث إلخ،(الدر المختار على هامش رد المحتار،مقدمة: ۱/ ٦٥،ظفیر) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۳-۱۷۴)

تشہد میں اشارۂ سبابہ:

سوال: قعدہ میں "التحیات" پڑھتے ہیں، بہت سے لوگ مٹھی باندھ کر کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں اور آخیر تک رہنے دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، یا تمام انگلیاں پھیلی رہنے دینا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

"**التحیات**" میں "**أشهد أن لا إلٰه إلا الله**" پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے، اس طرح کہ دو انگلیاں ہتھیلی سے ملی رہیں، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنالیا جائے، پھر "**إلا الله**" پر انگلی کا اشارہ کو ختم کر کے کچھ نیچے کو رخ کر دیا جائے اور یہ ہیئت اخیر تک باقی رہے، سب انگلیاں کھول کر نہ پھیلائی جائیں، (۱) اس مسئلہ پر بعض علما نے مستقل رسالے لکھے ہیں۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۲/۸/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۵/۵-۶۳۶)

اشارہ کے سلسلہ میں تفصیلی بحث:

سوال: نماز میں التحیات پڑھتے وقت **أشهد أن لا إلٰه إلا الله** پر کلمہ کی انگلی اٹھانا کیا مستحب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

سب تعریف اور احسان کے جملہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں، رحمت کاملہ اور سلام صاحب شریعت؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد اور اصحاب پر نازل ہو کہ آپ کی آل اور اصحاب سے امر حق ظاہر ہوا، اور رحمت کاملہ اور سلام ائمہ پر نازل ہو، جاننا چاہئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ ہمارے قول کو کسی مسئلہ میں دلیل قرار دے، جب تک اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس قول کا ماخذ کتاب یعنی قرآن

---

(۱) عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: كان رسول الله عليه وسلم: "إذا قعد فی التشهد وضع يده اليُسرىٰ علىٰ ركبته اليُسرى، ووضع يده اليمنىٰ علىٰ ركبته اليمنىٰ، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة، آهـ". رواه مسلم. (مشكوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التشهد، الفصل الأول: ۸٤/۱، قديمی) (رقم الحديث: ۹۰٦، انيس)

"وصحيح فی شرح الهداية أنه يشير، وكذا فی الملتقط وغيره، وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطىٰ ويقبض البنصر والخنصر، ويشير بالمسبحة أو يعقد ثلاثةً وخمسين بأن يقبض الوسطى والبنصر والخنصر، ويضع رأس إبهامه علىٰ حرف مفصل الوسطى الأوسط، ويرفع الأصبع عند النفی ويضعها عند الإثبات" آه. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی بيان تأليف الصلاة إلىٰ انتهائها: ۵۰۸/۱-۵۰۹، سعيد)

(۲) كتاب المسبحة لمحمد بن الحسن الشيبانی (رحمة واسعة) رفع التردد فی عقد الأصابع عند التشهد مع ذيلها. لمحمد أمين الشهير بابن عابدين رحمه الله تعالیٰ من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱۲۰/۱، سهيل اكيڈمی، لاهور

شریف اور سنت یعنی حدیث اور اجماع اور قیاس جلی میں سے کیا ہے؟ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے؛ کیوں کہ فقہ چار اصل سے ماخوذ ہوتا ہے۔

پہلی اصل: کتاب اللہ؛ یعنی قرآن شریف۔

دوسری اصل: سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؛ یعنی حدیث شریف۔

تیسری اصل: ایک وقت کے مجتہد کا اجماع۔

چوتھی اصل: قیاس نظری، اس مسئلہ میں جس میں نص نہ ہو اور قیاس نظری اس مسئلہ پر قیاس کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

جس میں نص ہو اور جو حکم کتاب اور سنت سے ثابت ہو، وہ کتاب اور سنت کے سوا دوسری چیز سے منسوخ نہیں ہوتا، وہ اجماع اور قیاس باطل ہے، جو کتاب یعنی قرآن شریف اور سنت کے خلاف ہو، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ثابت ہوا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منسوخ نہیں ہوسکتا اور مجتہد سے کبھی خطا ہوتی ہے اور کبھی اس میں صحیح ہوتا ہے، جب مجتہد کی خطا کسی مسئلہ میں ظاہر ہو جائے تو اس مسئلہ اور اس مجتہد کی تقلید حرام ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے، اب خیال کرنا چاہئے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب التحیات پڑھتے تھے تو أشهد أن لا إلــه إلا الـلّٰـه پر اشارہ فرماتے تھے اور یہ اشارہ خداوند تعالیٰ کی توحید کی جانب تھا اور متبعین آثار و اخبار نبویہ علیہ السلام نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی کوئی آیت اور حدیث نہیں، جس سے اشارہ ہفت ثابت ہوتی ہو، بعض لوگوں کو اماموں کے اقوال کی سند میں حدیث نہ ملی تو ان لوگوں نے اشارہ کو صرف قیاس سے منع کیا ہے، کتاب اور سنت سے منع نہ کیا، ایسا اجماع اور قیاس باطل ہے، جو نص کے خلاف ہو تو اس بارے میں لوگوں سے خطا ہوئی اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کی تقلید حرام ہے، جس میں ان لوگوں کی خطا ظاہر ہو جائے، اس درجہ میں ایک مقدمہ اور تین فصلیں ہیں، مقدمہ اس بیان میں کہ امت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو حدیث پر عمل چاہئے۔

پہلی فصل صحیح حدیثوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں۔

دوسری فصل فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہوئیں۔

تیسری فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے بیان میں ہے جو اشارہ کو منع کرتے ہیں اور ان کے جواب میں مقدمہ اس بیان میں ہے کہ امت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو سنت یعنی حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔

یہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوااللّٰه إِنَّ اللّٰه شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾(۱)

ترجمہ: یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو جو حکم فرمایا وہ کرو اور جس سے منع فرمایا اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

یعنی جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ تعالی اس پر سخت عذاب کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. (رواه أحمد والترمذى)(۲)

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم لوگوں سے میرے بعد زندہ رہے گا، وہ لوگوں میں بہت اختلاف دیکھے گا، اس وقت تم لوگوں پر لازم ہوگا کہ میری سنت کو ہاتھوں اور دانتوں سے پکڑ لینا۔

یعنی سنت کو مظبوط پکڑ لینا اور اس پر تم لوگ عمل کرنا اور حدیث شریف میں ہے کہ!

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ومن أحيا سنتى، فقد أحبنى ومن أحبنى كان معى فى الجنة. (رواه الترمذى)(۳)

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے بے شک میری محبت کی اور جس نے میری محبت کی وہ بے شک میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

پہلی فصل:

ان صحیح حدیثوں کے بیان میں، جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں، روایت کی امام ربانی محمد بن شیبانی نے اپنے موطأ یعنی امام محمدؒ میں امام مالکؒ سے اور انہوں نے روایت کی مسلم بن ابی مریم سے اور انہوں نے روایت کی علی بن عبد الرحمٰن معادی سے کہ علی بن عبد الرحمٰن معادی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو دیکھا اور میں نماز میں سنگریزوں سے کھیل رہا تھا، جب میں نماز سے فارغ ہوا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم نماز میں وہ فعل کرو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، میں نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ!

''جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو داہنے ران پر رکھتے تھے اور سب انگلیوں

(۱) سورة الحشر: ۷، انيس

(۲) حديث العرباض بن سارية عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱۷۱٤۲)/ باب ماجاء فى الأخذ بالسنة وإجتناب البدع (ح: ۲٦۷٦) انيس

(۳) كتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ بالسنة واجتناب البدع، رقم الحديث: ۲٦۷۸، ٥/٤٦، انيس

کو بند رکھتے تھے اور انگوٹھے کے نزدیک جو انگلی ہے اس سے اشارہ کرتے تھے اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے''۔

امام محمدؒ نے یہ کہا کہ ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختیار کیا۔(۱) موطأ امام محمدؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

بدائع اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مسیخۃ میں اشارہ کرنے کے لئے تصریح کی ہے اور وہ اس بارے میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، ہم نے بھی وہی اختیار کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور ہمارا یہی قول ہے۔(۲)

ذخیرہ اور شرح زاہدی میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی، پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، ہم نے بھی وہی کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور میرا یہی قول ہے۔ کفایہ اور تاتارخانی میں امام محمد کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے، امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی، پھر یہ کہا کہ میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ عنایہ میں یہی قول لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مسیخۃ میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے، وہ اس بارہ میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کرتے تھے۔(۳)

اور امام محمدؒ اور ابن السکیت نے بھی اپنے صحاح میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ!

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:"الإشارة بالأصبع أشدعلی الشیطان من الحدید.(۴)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلی سے اشارہ کرنا لوہے سے زیادہ شیطان پر سخت گذرتا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں میں شافعی مذہب کے اماموں کی جو روایتیں ہیں، وہ قریب متواتر ہونے کے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ!

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھتے تھے۔(۵)

عبدالرزاق نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبری کے ستر جز ہیں، ایک

(۱)　موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،باب العبث فی الصلاة ومایکره،الخ(ح:١٤٤)انیس)

(۲)　بدائع الصنائع،وأما سنة التشهد،الخ:٢١٤/١،دار الکتب العلمیة.انیس

(۳)　العنایة شرح الهدایة،باب صفة الصلاة:٣١٢/١،دار الفکر.انیس

(۴)　پوری حدیث اس طرح ہے:عن نافع قال:کان عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما إذا جلس فی الصلاة وضع یدیه علٰی رکبتیه أشار بأصبعه وأتبعها بصره،ثم قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:لهی أشد علٰی الشیطان من الحدید یعنی السبابة.(مسند الإمام أحمد،مسند عبداللّٰه بن عمربن الخطاب (ح:٦٠٠٠)انیس)

(۴)　الصحیح لمسلم،باب صفة الجلوس فی الصلاة ،الخ (ح:٥٧٩)انیس

جز سحری میں دیر کرنا ہے اور دوسرا جز افطار میں جلدی کرنا ہے اور یہ بھی ایک جز ہے، انگلی سے نماز میں اشارہ کرنا ہے۔(۱)

حاکم نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ!

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارہ کے عوض میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر ایک انگلی کے مقابلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔(۲)

اشارہ کی بہت سی فضیلتیں ہیں، اس مختصر میں ان کی گنجائش نہیں، اس کے حال پر افسوس ہے، جو اشارہ نہیں کرتا، ان فضیلتوں سے محروم رہتا ہے۔

دوسری فصل:

فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہیں، یہاں وہ روایتیں حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے لکھی جاتی ہیں، ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اشارہ کو منع کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ ملتقط میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنے کے بارے میں علماءِ کرام کا اختلاف نہیں۔ خانیہ میں لکھا ہے کہ یہ بلا اختلاف علماءِ کرام سے ثابت ہے کہ التحیات میں **لا إلٰہ إلا اللّٰہ** پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا چاہئے اور کفایہ میں مذکور ہے کہ علامہ نجم الدین زاہدی کا یہ قول ہے کہ بالاتفاق اس بارے میں ہمارے اصحاب سے روایتیں ثابت ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور علماءِ کوفہ اور علماءِ مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور اشارہ کرنے کے بارے میں بہت اخبار اور آثار ہیں تو ان پر عمل کرنا بہتر ہے، یعنی اشارہ کرنا چاہئے، امام ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور صاحب کفایہ کا بھی یہ قول ہے اور محقق چلپی نے خفیۃ المہتدیٰ میں لکھا ہے اور شیخ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ''**لا إلٰہَ إلا اللّٰہ**'' پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے، انگلیوں کو بند کرے اور ارشارہ کرے؛ تا کہ دونوں طریق پر عمل ہو جائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی کو بند کرے اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ کرے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماءِ کرام کے نزدیک اسی طور سے اشارہ کرنا ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ نے مختار النوازل میں لکھا ہے کہ ''**لا إلٰہَ إلا اللّٰہ**'' پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے اور منیۃ المصلی میں یہ لکھا ہے کہ جب پڑھے ''**أشھدأن لا إلٰہ إلا اللّٰہ و أشھدأن محمداً عبدہ ورسولہ**''، تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔

(۱) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب رفع الیدین فی الدعاء (ح:۳۲٤٦)انیس

(۲) عن عقبة بن عامر الجهنی یقول: إنی یکتب فی کل إشارة یشیرها الرجل بیده فی الصلاة بکل أصبع حسنة أو درجة. (المعجم الکبیر للطبرانی، أبو المصعب مشرح بن هاعان عن عقبة (ح:۸۱۹)انیس)

تیسری فصل

ان لوگوں کی دلیلوں کے مطابق میں جو اشارہ کرنے کو منع کرتے ہیں اور یہ فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے جواب میں بھی ہے۔ بعض علماءِ کرام نے جو یہ کہا ہے کہ اشارہ کرنا بہتر ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ اسی پر فتوی ہے، اس واسطے کے نماز کی بنا سکون اور وقار ہے اور اشارہ کرنے میں سکون اور وقار نہیں رہتا، اس کا جواب یہ ہے کہ!

یہ دلیل کوئی آیت نہیں اور نہ حدیث اور نہ اجماع ہے، بلکہ قیاس ہے، جب کسی مسئلہ میں حدیث موجود ہو تو اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس نے اشارہ کو منع کیا، اس کو صحیح حدیثیں نہ پہنچیں اور اس نے حنفی مذہب کے فقہ کی روایتوں کو نہ جانا، ورنہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارے میں یہ کہے کہ یہ فعل سکون اور وقار کے خلاف ہے، خصوصاً وہ نماز کے کسی فعل کے بارے میں ایسا کہے تو وہ شخص بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔

صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا علماءِ متقدمین کی سنت ہے۔ علماءِ متاخرین نے آخر میں اشارہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس واسطے اشارہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو اس واسطے منع کیا کہ علماءِ متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا ہے کہ اشارہ کرنا چاہئے۔

پہلی بات: جو یہ ہے کہ علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل حضرت امام اعظمؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے خلاف ہے، اس واسطے کہ یہ دلیل قیاس ہے اور جب حدیث صحیح ہو موجود ہو تو اس کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔

دوسری بات: یعنی علماءِ متقدمین کا قول منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم منسوخ ہو۔

تیسری بات: یعنی یہ کہ علماءِ متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا تھا کہ اشارہ کرنا چاہئے اس واسطے علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کی مخالفت ان کی بدعتوں میں چاہئے، رافضیوں کا جو یہ فعل فی الواقعہ سنت ہے، اس میں رافضیوں کی مخالفت نہ کرنا چاہئے، اس واسطے کہ جب رافضیوں کی مخالفت کے لحاظ سے کوئی سنت ادا نہ کی جائے گی تو اس میں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ رافضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور بسم اللہ سے کام کو شروع کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرتے ہیں تو رافضیوں کے ان افعال میں درود بھیجنا، بسم اللہ کہنا، حمد و ثنا کرنا، وضو میں پے در پے بدن کو دھونا اور ناخن کٹوانا اور بغل کے بال منڈوانا اور زیر ناف بال مونڈنا اگر اس غرض سے کہ

رافضیوں کی مخالفت ہوتو سنتوں کو چھوڑ نا ضروری ہوتو سنیوں کو چاہئے کہ اس خیال سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہوتو اکثر ان سنتوں کو ترک کردیں، جو عادت اور عبادت کے متعلق ہیں اور اس بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھیں اور پھر اپنے کو سنی کہیں اور یہ صرف شیطان کا فریب اور تعصب ہے۔

محیط میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے،(۱) اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے، اگر وہ سب ہم یہاں ذکر کریں، تو بات طویل ہو جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کی جہالت اور تعصب نفسانی ہے، جو دلیل یا کسی کے گمان کی بنا پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور امام کے خلاف مذہب کوئی مسئلہ اختیار کریں اور باوجود اس کے اپنے کو سنی سمجھیں، سنی وہ ہے جو سنت پر عمل کرتا ہے اور رافضی وہ ہے جو سنت کو ترک کرتا ہے اور امام کے خلاف مذہب اس کا عمل ہے۔

(سعایہ رسالہ عبدالعزیز عفا اللہ عنہ نے لکھا، تمام ہوا، رسالہ جو اس بارے میں ہے کہ نماز میں جب التحیات پڑھے تو لا إلٰه إلا الله پڑھنے کے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے۔)(فتاویٰ عزیزی:۴۶۸-۴۷۳) ☆

(۱) المحيط البرهاني،الفصل السادس عشر في التغني و الإلحان: ۳٦٩/١،دار الفكر .انيس

☆ تشہد میں اشارہ بالسبابہ احادیث سے ثابت ہے:

سوال: چہ می فرمایند علماءِ دین دریں مسئلہ کہ اشارہ بالسبابہ لطفاً از شما استدعا مینمایم، زیرا کہ فہم چیز است و در وطن ما یاں منفی است، و اگر یک ادم میکند او رابدے داند، کہ ایں وہابی شدہ است و پیش ما یاں عاجزان نہ یک کتاب و نہ ایں قدر علمیت کہ برائے شان قناعت بدہم و نہ بخود شان این قدر حفظ از علم احادیث است، اگر ایں مسئلہ اشارت واضح موافق با کمال علمیت و وقوف خونوشتہ شود، در ہر کتاب کہ نفی اشارت میشد و میکند نان ایں کتاب و مرجوحیت قول ایں ہم لطفاً واضح شود؟ بینوا توجروا۔(المستفتی: عبدالغفار، افغانستان)

الجواب

دریں باب بسیار احادیث مرفوعہ وارد شدہ اند، (فليراجع إلٰى مشكوة،باب التشهد) وبعد از وفات پیغمبر علیہ السلام از صحابہ اشارہ کردن ثابت شدہ است، (فليراجع إلٰى الموطأ للامام محمد) وائمہ ما متقدمین در کتب ظاہر الروایۃ ہیچ نہ گفتہ اند، بے شک در غیر ظاہر الروایۃ بہ جواز تصریح کردہ اند، شیخ ابی یوسف رحمہ اللہ در امالی و امام محمد در موطأ وصاحب بحر در باب قضاء الفوائت، گفتہ است کہ در وقت عدم ظاہر الروایۃ واجب است مصیر بہ نادر الروایۃ وعلماءِ متأخرین در اشارہ مختلف اند جمع عظیم بر جواز قائل است و جمع عظیم بر عدم جواز لاکن راجح جواز است زیرا نکہ آن متأخرین کہ جامع بین الفقہ والحدیث اند مثل صاحب الفتح والبحر والشرح الکبیر و ردالمحتار قائل بر جواز اند وصاحب الہدایۃ نیز بر جواز تصریح کردہ است در مختار نوازل و سکوت کردہ است در ہدایہ و بحث دریں مسئلہ بسیار است و فرصت نوشتن کم است لہٰذا بریں اشارات اکتفاء باید کرد۔(مر التفصيل في الحاشية المحولة بمنهاج السنن شرح جامع السنن،باب ما جاء في الإشارات: ١٦٦/١) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۵۶/۲) ==

== **تشہد میں رفع سبابہ کا اثبات اور روایات نفی کا جواب:**

سوال: درمیان خلق مشہور است کہ در اشارت سبابہ روایات نہی واثبات ہر دو آمدہ لیکن چونکہ نہی را بر اثبات ترجیح باشد لہٰذا نہی اشارت را ترجیح شد وبعض خلق می گوید کہ چوں معارضہ حل وحرمت بیاید ترجیح حرمت را باشد مثبتین اشارت را ازیں چہ جواب است ,دیگر آنکہ مانعین اشارت می گویند کہ لفظ علیہ الفتویٰ کہ از آکد الفاظ ترجیح است، بر نفی اشارت لفظ وعلیہ الفتویٰ بسیار در کتب مذکور است، چنانکہ در درمختار وغیرہ و بر اثبات اشارت لفظ وعلیہ الفتویٰ نیاوردہ لہٰذا نہی اشارت را ترجیح دادہ شود بر اثبات اشارت، عرض آنکہ در کتب در کدام کتاب معتمد علیہ بر اثبات اشارت لفظ وعلیہ الفتویٰ آوردہ یا نہ اگر آوردہ باشد عبارت کتاب نوشتہ شود واگر نہ جواب مانعین را نوشتہ شود؟

الجواب

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطأ میں بسند صحیح یہ حدیث نقل کر کے ”کان (رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم) إذا جلس فی الصلٰوۃ وضع کفہ الیُمنی علٰی فخذہ الیمنی، وقبض أصابعہ کلھا وأشار بأصبعہ التی تلی الإبھام ووضع کفہ الیُسریٰ علٰی فخذہ الیسریٰ، آہ.

فرماتے ہیں:

قال محمد: وبصنیع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ یؤخذ وھو قول أبی حنیفۃ. (ص: ۱۰۶)(موطأ الإمام مالک بروایۃ محمد بن الحسن باب: العبث فی الصلاۃ وما یکرہ من تسویتہ: ۶۷/۱ (ح: ۱۴۴) انیس)

ترجمہ: ”کہا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فعل کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا، آھ۔

امام محمد کا یہ قول علیہ الفتویٰ سے آکد و مؤکد ہے، لما فیہ من إسنادہ الأخذ إلٰی صنع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

اور مانعین اشارت کا یہ کہنا کہ اثبات اشارت پر لفظ فتویٰ نہیں ہے غلط ہے، درمختار میں ہے:

بل فی متن درر البحار وشرحہ غرر الأذکار المفتٰی بہ عندنا أنہ یشیر باسطًا أصابعہ کلھا وفی الشرنبلالیۃ عن البرھان الصحیح أنہ یشیر بمسحتہ وحدھا... واحترز بالصحیح عما قیل لا یشیر لأنہ خلاف الدرایۃ والروایۃ، آہ.

وقال فی رد المحتار ناقلاً عن غرر الأذکار: والفتویٰ أی المفتٰی بہ عندنا خلافہ أی خلاف عدم الإشارۃ وھو الاشارۃ علٰی کفیۃ عقد ثلاثۃ وخمسین کما قال بہ الشافعی وأحمد وفی المحیط أنھا سنۃ، یرفعھا عند النفی ویضعھا عند الإثبات، وھو قول أبی حنیفۃ ومحمد، وکثرت بہ الآثار والأخبار فالعمل بہ أولٰی، آہ. (۵۳۰/۱)(کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، قبیل مطلب مھم فی عقد الأصابع عند التشھد، انیس)

اس سے معلوم ہوا کہ عدم اشارہ کے مقابل اثبات اشارہ کے لئے لفظ ”معتمد وصحیح ومفتٰی بہ وعلیہ الفتویٰ والعمل بہ أولٰی“، بہت سے الفاظ کتب فقہ معتمد علیہا میں موجود ہیں اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں اسی کی تصریح ہے، پس یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور کتب محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں خلاصہ وغیرہ کی کوئی ہستی نہیں اور حرمت وحلت کا تعارض اور ترجیح حرمت کا قاعدہ وہاں ہے، جب کہ حرمت وحلت کا ورود کلام شارع میں ہو اور اس مسئلہ میں کسی حدیث سے ممانعت اشارہ کی ثابت نہیں ہوئی، ==

انگشتِ شہادت اٹھانے کی وجہ:

سوال: ''التحیات'میں بوقت کلمہ شہادت 'انگشت شہادت' اٹھانے کا کیا سبب ہے؟

الجواب

''التحیات'' میں بوقتِ کلمہ شہادت 'انگشت سبابہ' سے توحید کا اشارہ ہوتا ہے؛ تاکہ جیسا کہ زبان سے ''**أشهد أن لا إلٰه إلا الله**''**إلخ**، کہا جاتا ہے، جس کا مطلب توحید کا اقرار ہے، اسی طرح عملاً بھی افعال جوارح سے اس کو ظاہر کیا جاوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۱)☆

== باقی مصنفین کے کلام میں اگر حرمت وحلت کا تعارض ہے تو وہاں مطلقا حرمت کو ترجیح نہ ہوگی، بلکہ جو قول روایت ودرایت کے زیادہ موافق ہوگا وہی راجح ہوگا، پس اشارہ موافق سنت ہے، یہی راجح ہے، اور اہل سرہند وپنجاب جو اس سے روکتے اور انکار کرتے ہیں ان پر خوف عذاب شدید ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/رمضان ۱۳۴۲ھ۔(امدادالاحکام:۲/۸۰-۸۲)

اشارہ بالسبابہ کی تحقیق:

سوال: رفع سبابہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ کہتے ہیں کہ اشارہ کی احادیث از قسم آحاد ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور شارح منیہ نے مانعین کے قول کو خلاف درایت وروایت ہونا لکھا ہے:''**والمراد من العقد المذكور فى رواية مسلم العقد عند الإشارة(إلٰى أن قال) وأشاره بأصبعه التى تلى الإبهام،إلخ**.(کبیری:۲۸۹)

اور ممانعت کرنے والا کا اس کو سجدہ شکر پر قیاس کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اور اشارہ کا ثبوت احادیث صحیح سے ہے جیسا کہ روایت کبیری میں مذکور ہے اور نیز کبیری میں ہے:

''**وعن كثير من المشائخ لايشير أصلاً وصححه فى الخلاصة وهو خلاف الدراية والرواية أما الدراية فما تقدم فى الحديث الصحيح ولامحل له إلاالإشارة وأما الرواية فعن محمد رحمه الله أن ماذكره فى كيفية الإشارة وهو قوله وقول أبى حنيفة رحمة الله عليه ذكره فى النهاية وغيرها قال نجم الدين الزاهدى لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعاً فى كونها سنة وكذا عن الكوفين والمدنين وكثرت الاخبار والآثار كان العمل بها أولٰى،إلخ.**

ان عبارات سے آپ کے سب شبہات کا کافی جواب ہوگیا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)(امدادالمفتین:۲/۲۷۵)

(۱) پس آں حضرت اشارت می کرد بایں انگشت بوحدانیت حق تعالیٰ۔(اشعۃ اللمعات،باب التشہد:۱/۴۲۸)

أشار بأصبعه وأتبعها بصره،ثم قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:لَهِىَ أشد على الشيطان من الحديد يعنى السبابة.(مشکوٰۃ)(پوری حدیث اس طرح ہے:**عن نافع قال:كان عبد الله بن عمر رضى الله عنهما إذا جلس فى الصلاة وضع يديه علٰى ركبتيه أشار بأصبعه وأتبعها بصره،ثم قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:لهى أشد علٰى الشيطان من الحديد يعنى السبابة.**(مشكوٰة،كتاب الصلاة،باب التشهد،الفصل الثالث،رقم الحديث:۹۱۷،انیس)

بجہت اشارت کردن بوی توحید اثبات برایمان وقطع طمع شیطان از وقوع مصلی در شرک وکفر۔(اشعۃ اللمعات،باب التشہد:۱/۴۳۴،ظفیر)==

سبابہ سے کب اشارہ کرے:

سوال: کس وقت سبابہ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے؟

الجواب

نفی؛ یعنی "لا إلٰہ" کے وقت انگلی کو اٹھائے اور اثبات؛ یعنی "إلا اللّٰہ" کے وقت رکھ دے۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں:

" قالوا: یرفع المسبحة عند قوله لا إلٰہ ویضعها عند قوله إلا اللّٰہ لمناسبة الرفع للنفی وملائمة الوضع للاثبات حتٰی تطابق القول الفعل فی التوحید والتفرید، انتھٰی، وھٰکذا فی البرھان والکفایة وغیرھما. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۲-۲۲۳) ☆

==☆ تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت:

سوال: التحیات میں جو انگشت شہادت اٹھائی جاتی ہے اس کی کیا بنیاد ہے؟ شارع اسلام نے کوئی وجہ بیان فرمائی یا نہیں؟

الجواب

توحید کا اشارہ ہے جو شیطان کو بروئے روایات ناگوار ہوتا ہے۔

(تتمہ اولیٰ صفحہ ۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰۶)

☆ تشہد میں انگلی کس وقت اٹھائی جائے:

سوال: نماز پڑھتے وقت جب التحیات پڑھی جائے، تو کن الفاظ پر شہادت کی انگلی اٹھانی چاہئے؟

الجواب　　وباللّٰہ التوفیق

أشھد أن لا إلٰہ إلّا اللّٰہ پر انگلی اٹھائی جائے۔ ("لا إلٰہ" پر انگلی اٹھائی جائے اور "إلا اللّٰہ" پر گرادی جائے۔ [مجاھد] (وأشار بالمسبحة) من أصابعه الیُمنیٰ فی الشھادة علی الصحیح (یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات) (مراقی الفلاح، ص: ۱۵۵ (کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة ترکیب أفعال الصلاة، انیس) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی-۴/۷/۱۳۷۶ھ- (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۳۰)

تشہد کے وقت انگلی کب سے کب تک اٹھائے رکھے:

سوال بعض اشخاص جس وقت التحیات میں بیٹھتے ہیں، اول ہی سے انگشت شہادت اٹھا لیتے ہیں، سلام پھیرنے تک، حالانکہ حنفیوں کا یہ مذہب ہے کہ جب تشہد پر پہنچے، تب انگلی اٹھائے، بعد میں پست کرلے، اس میں صحیح قول کیا ہے اور حنفی کو کس وقت سے کس وقت تک انگلی اٹھانا چاہئے اور اس میں امام اعظم صاحبؒ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب

تشہد پر انگشت کو اٹھاوے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۶۶)

سبابہ سے اشارہ کرنے کا طریقہ:

سوال: سبابہ سے اشارہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب

اس کے متعلق چند طریقے مذکور ہیں۔

(۱) انگوٹھا اور درمیانی انگلی کے کناروں کو ملا کر حلقہ بنائے، خنصر و بنصر کو بند کرے اور انگشت مسبحہ کو کھول کر اشارہ کرے۔ کفایہ میں ابوجعفر رحمہ اللہ سے یہی طریقہ مذکور ہے اور رسائل الارکان میں اس کو مختار کہا گیا ہے:

وقال الشمنی فی شرح النقاية ذكر أبويوسف فی الأمالی أنه يعقدالخنصروالأصبع التی تليها ويحلق الوسطى والإبهام ويشيربالسبابة،انتهىٰ. (۱)

وقال البرجندی فی شرح النقاية وقدجاء عن علمائنا فی بعض الروايات أنه يفعل كما يفعل الشافعی وهوأن يعقد الخنصروالبنصرويحلق بين الوسطى والإبهام برأسهما ويشيربالسبابة عند التلفظ بالشهادتين،انتهىٰ.

(۲) دستِ راست کو اپنی ران پر سیدھا رکھ کر انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھے اور سبابہ سے اشارہ کرے، نہ حلقہ بنانے کی ضرورت ہے اور نہ خنصر و بنصر کو بند کرنے کی۔ صاحب برہان نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے اور درمختار میں درر البحار اور اس کی شرح غرر الاذکار کے حوالہ سے منقول ہے:

المُفتىٰ به عندنا أنه يشيرباسطاً إصابعه كلها،انتهىٰ. (۲)

(۳) خنصر و بنصر اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور انگوٹھے کو سبابہ کی جڑ میں رکھ کر سبابہ کو کھول کر اشارہ کرے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ **(كذا فی شرح المشكوٰة وفی الكفاية) وفی قول المدنيين يجب أن يعقد الثلٰث والخميس ويشيربالسبابة،انتهىٰ**

(۴) انگشتِ شہادت کے علاوہ چاروں انگلیوں کو بند کر کے سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں یہی طریقہ ذکر کیا ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۲۳-۲۲۴) ☆

(۱) رسائل الأركان،بيان رفع السبابة: ۸۱،المطبع العلوی لكهنؤ .انيس

(۲) الدرالمختار علی صدرردالمحتار،فروع قرأبالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل: ۵۰۹/۱،دارالفكر.انيس

☆ **تشہد پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کیسے کیا جائے:**

سوال حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی کتاب ''مالا بد منہ'' میں فرماتے ہیں وانگشت خنصر و بنصر از دست راست عقد کند و وسطیٰ و ابہام را حلقہ کند وانگشت شہادت را کشادہ دارد و وتشہد نخواند و وقت شہادت اشارہ کند۔ ==

اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دینا:

سوال: سبابہ سے اشارہ کرتے وقت اس کو حرکت دینی چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

ابوداؤد حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت نہ دیتے تھے،(۱) اور جن روایات سے حرکت کا ثبوت ملتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ انگلی کو اشارہ کرنے کے لئے اٹھاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں حرکت بھی ہو جاتی تھی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۲۳)

== (اور سیدھے ہاتھ کی چھوٹی اور اس کے بازو کی انگلیوں سے گرہ لگائے اور بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھول کر تشہد پڑھے اور شہادت کے وقت اشارہ کرے۔) یہ عبارت موافق مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہے یا نہیں؟ اس سے ابتداءً رفع سبابہ شروع التحیات سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا وقت شہادت کے رفع کیا جاوے یا دل ہی سے مرقوم فرمائیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت اشارہ کے عقد کرتے ہیں۔ اس کا پتہ بھی حدیث سے ملتا ہے اور ملا علی قاری نے لکھا کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے، یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے، دونوں طرح پر عمل درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ:۲۶۵-۲۶۶)

رفع سبابہ کی بہتر صورت:

سوال: رفع سبابہ کا حکم کیسے ہے اور کس طریقہ سے اگر انگشت نہ اٹھائی جاوے تو کیا حکم ہے انگشت اٹھانا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ ہے، انگشت اٹھا کر اختتام نماز سلام تک مشت بند رکھی جاوے یا پہلی ہیئت پر انگلیاں دراز کر کے زانوں پر رکھی جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

رفع سبابہ کی کئی صورتیں کتب فقہ میں منقول ہیں اور سب درست ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ جب "**أشهد أن لاإلٰه إلا اللّٰه**" پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کے انگشت شہادت اوپر کو اٹھائے اور پھر خیال اس طرف سے اٹھا کر نماز کی طرف متوجہ کر لے، انگلی شہادت کو طبعی حالت پر چھوڑ دے، گر جائے یا اٹھی رہ جائے، اس طرف التفات نہ کرے، اسی طرح انگلیوں سے حلقہ جو بندھا ہوا تھا، اس کو اس طرح بندھا چھوڑ دے اور نماز پوری کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۵۷)

(۱) عن عبداللّٰه بن زبير أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يشير بأصبعه إذا دعا ولا يحركها. (سنن أبي داؤد، باب الإشارة في التشهد (ح:۹۸۹) انیس)

رفع سبابہ کے وقت نگاہ کہاں ہونی چاہئے:

سوال: بندہ نماز میں قعدہ کے وقت نظر گود میں رکھتا ہے، تو کیا رفع سبابہ کے وقت نظر سبابہ کی طرف رکھنی چاہئے؟ اور کیا سلام پھیرنے تک نظر سبابہ کی طرف رکھنی چاہئے؟

الجواب

قعدہ کے وقت نظر گود ہی کی طرف رکھنی چاہئے، سبابہ کی طرف نظر کرنا میری نظر سے نہیں گذرا۔

قال فی مراقی الفلاح: ۱/۱۶۱: ومنها نظر المصلی سواءٌ کان رجلاً أو امرأة إلٰی موضع سجوده قائمًا (إلٰی أن قال) وإلٰی حجره جالسًا، إلخ. (۱)

بعد میں ایک حدیث نظر سے گذری جس کو نسائی نے روایت کیا ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمر فی حدیث طویل وفیه: أشار بأصبعه التی تلی الإبهام فی القبلة، ورمٰی ببصره إلیها أو نحوها ثم قال: هٰکذا رأیت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصنع، آه. (۲)

اس سے اشارہ کے وقت سبابہ کی طرف نظر کرنا ثابت ہے، مگر قرار ثابت نہیں۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام: ۲/ ۷۸-۷۹)

اشارہ کے وقت نظر کس جگہ رکھے:

سوال: اشارہ کرتے وقت نظر انگلی پر رکھے یا کسی دوسری جگہ۔

الجواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی اٹھانے اور اشارہ کرنے کے وقت نظر مبارک انگشت پر رکھتے اور کسی دوسری جانب نہیں دیکھتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بأصبعه إذا دعا ولا یحرکها، (۳) ولا یجاوز بصره إشارته، انتهٰی. (۴)

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۳)

---

(۱) کتاب الصلاة، فصل من آدابها، انیس

(۲) باب موضع البصر فی التشهد (ح: ۱۱۶۰) ۲/ ۲۳۶، مکتب المطبوعات الإسلامیة حلب، انیس

(۳) سنن أبی داؤد، باب الإشارة فی التشهد (ح: ۹۸۹) / سنن النسائی، باب بسط الیسرٰی علی الرکبة (ح: ۱۲۷۰) / معرفة السنن والآثار، کیفیة وضع الیدین فی التشهد (ح: ۳۶۵۲) انیس

(۴) سنن أبی داؤد، باب الإشارة فی التشهد (ح: ۹۹۰) انیس

بوقت تشہد ہاتھ رکھنے کی جگہ:

سوال: قعود کی حالت میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے یا نہیں؟

الجواب

دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے۔

عالمگیریہ میں ہے:

"وضع يديه علٰى فخذيه وبسط أصابعه، كذافى الهداية، ولا يأخذ الركبة فى الأصح، كذافى الخلاصة، إنتهٰى (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۴)

تشہد میں انگلی اٹھا کر کس لفظ پر گرائی جائے:

سوال: نماز میں "التحیات" پڑھتے وقت جو انگلی **"أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه"** کے وقت اٹھائی جاتی ہے، وہ کس وقت گرانی چاہیئے؟

الجواب

شرح منیہ میں امام حلوانی سے نقل کیا ہے کہ! "**لا إلٰه**" پرانگشت کو اٹھاوے اور "**إلا اللّٰه**" پر رکھ دیوے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۸۹)

اشارہ کے بعد انگلیوں کو کھولنا:

سوال: اشارے کے طریقوں میں جو کھولنا اور بند کرنا مذکور ہے، کیا اشارہ کے بعد بھی اسی کو باقی رکھے یا تمام انگلیوں کو کھول دے؟

الجواب

اسی طریقہ کو باقی رکھے۔ ملا قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والصحيح المختار عند جمهور أصحابنا أنه يضع كفيه علٰى فخذيه ثم عند وصوله إلٰى كلمة

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث فی سنن الصلاة و آدابها: ۱/۷۵، دار الفكر بيروت. انيس

(۲) يرفعها عند النفی ويضعها عند الإثبات. (الدر المختار)

وفی المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفی ويضعها عند الإثبات وهو قول أبی حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰى وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولٰى. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۴۷۵، كبيری، صفة الصلاة: ۳۲۸)

التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والإبهام ويشير بالمسبحة رافعاً لها عندالنفي وواضعاً لها عند الإثبات ثم يستمر على ذلك لأنه ثبت العقد عند الإشارة بلاخلاف ولم يوجد غيره، فالأصل إبقاء الشيء على ما هو عليه وأصحابه إلى آخره، انتهى. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۴)

متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں:

سوال: متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں کیا اور یہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں اس کی تفصیل دیکھ لیں، اس میں بعض متون سے بھی رفع سبابہ نقل کیا ہے اور رفع سبابہ کی تصحیح کی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۱)

دائیں ہاتھ کی انگشت نہ اٹھا سکتا ہو تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص داہنے ہاتھ کی انگلی شہادت اٹھانے سے مجبور ہے، تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھاتا ہے، زید منع کرتا ہے؟

الجواب

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا تو وہ انگشت نہ اٹھاوے، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۲) ☆

---

(۱) مفصل حوالہ گذر چکا۔ وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله وكثرت به الأثار والأخبار فالعمل به أولى. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۴۷۵، ظفير)

(۲) الصحيح أنه يشير بمسبحة وحدها، يرفعها عند النفي. (الدر المختار)

(قوله: بمسبحة وحدها) فيكره أن يشير بالمسبحتين كما في الفتح وغيره. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۴، ظفير) (كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، انيس)

☆ **معذوری کی وجہ سے داہنے ہاتھ سے رفع سبابہ ممکن نہ ہو تو:**

سوال: اگر کسی شخص کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا ہو یا انگشت سبابہ کٹی ہو یا داہنا ہاتھ مفلوج ہو اور انگشت شہادت کا اٹھانا قابو میں نہ ہو تو تشہد میں اس کے بدلے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا سکتا ہے یا اٹھانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس کے متعلق کوئی نقل نظر سے نہیں گذری کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ کرے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اشارہ کا استحباب ساقط ہے کیوں کہ جو فعل اس کا سنت سے منقول ہے وہ موجود نہیں اور کسی دوسرے عضو کو اس کا قائم مقام کرنا محض قیاس سے درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اضافہ) (امداد المفتین: ۲/۲۷۵)

==

افضل درود شریف:

سوال: نماز کے باہر کون سا درود شریف پڑھنا چاہئے، وہ درود شریف تحریر کیجئے؛ جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہو؟

الجوابــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

سب سے افضل درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۴/۵-۶۴۵)

== کسی وجہ سے انگشت شہادت سے اشارہ ممکن نہ ہو تو کسی اور انگلی سے نہ کریں:

سوال: میری شہادت کی انگلی میں کافی دنوں سے پھوڑا نکلا ہوا ہے انگلی کو حرکت دینے سے ٹیسیں اٹھتی ہیں تو بوقت تشہد اس انگلی کے بجائے دوسری انگلی سے اشارہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ (قمر الدین مکتبہ ربانیہ نزد خیر المدارس ملتان)

الجوابــــــــــــــــــــــــ

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کر دیں، کسی اور انگلی سے نہ کریں؛ کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔

"لایشیر بغیر المسبحة حتیٰ لو کانت مقطوعة أو علیلة لم یشر بغیرها من أصابع الیمنیٰ و الیسریٰ کمافی النووی علیٰ مسلم.(طحطاوی:۱۴۷)(فصل فی بیان سننها،انیس)فقط و اللّٰہ أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۷/۷/۱۴۱۰ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۶۰/۲-۲۶۱)

(۱) أفضل العبارات علی ما قال المرزوقی: "اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد،آه".(ردالمحتار،خطبة الکتاب،مطلب أفضل صیغ الصلاة : ۱۳/۱،سعید)

"حدثنا شعبة عن الحکم،قال:سمعت ابن أبی لیلیٰ قال:لقینی کعب بن عجرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فقال:ألا أهدی لک هدیةً،خرج علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم،فقلنا:قد عرفنا کیف نسلم علیک،فکیف نصلی علیک؟قال:"قولوا:اللّٰهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم إنک حمید مجید،اللهم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد کما بارکت علیٰ ابراهیم،إنک حمید مجید".(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاة،باب الصلاة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم بعد التشهد: ۱۷۵/۱، قدیمی)(رقم الحدیث:۴۰۶،انیس)

"قال:سئل محمد عن الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم،فقال:یقول"اللّٰهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم وعلیٰ آل إبراهیم إنک حمید مجید،وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ إبراهیم وعلیٰ آل إبراهیم إنک حمید مجید"،وهی الموافقة لما فی الصحیحین وغیرهما".(رد المحتار،کتاب الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلوٰة إلیٰ انتهائها: ۵۱۲/۱،سعید)

درود میں سیدنا کا اضافہ کیسا ہے:

سوال: جو درود شریف بعد تشہد کے نماز میں پڑھا جاتا ہے اور بدونِ لفظ ''سیدنا'' مروی ہے، آیا بلا ''سیدنا'' پڑھنا چاہیے، یا اضافہ لفظ ''سیدنا'' کیا جاوے؟

الجواب

اضافہ لفظ ''سیدنا'' میں کچھ مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا ہے بلا لفظ ''سیدنا''، ویسا ہی بہتر ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۸/۲-۱۶۹)

درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ اولیٰ ہے:

سوال: ایک سائل کو یہ جواب تحریر فرمایا جو درج ذیل ہے۔سوال کا حاصل صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خارج صلوٰۃ یا داخل صلوٰۃ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟ (محمد خالد عفا اللہ عنہ)

الجواب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ سیدنا کا اضافہ صلوٰۃ میں اولیٰ لکھا ہے تو غیر صلوٰۃ میں بھی بالا ولیٰ ہوگا اور کتابت میں بھی لکھنا اولیٰ ہے۔فقط

خلیل احمد عفی عنہ۔(فتاویٰ مظاہر علوم: ۹۷/۱-۹۸) ☆

---

(۱) وصلّٰی علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إلخ وندب السیادة،لأن زیادة الإخبار بالواقع عین سلوک الأدب، فهو أفضل من ترکه،ذکره الرملی الشافعی وغیره وما نقل''لاتسودونی فی الصلاة''فکذب.(الدر المختار)

قال:سئل محمد عن الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم،فقال:یقول''اللّٰهم صلّ علٰی محمد وعلٰی آل محمد إلخ وهی الموافقة لما فی الصحیحین وغیرهماإلخ...واعترض بأن هٰذا مخالف لمذهبنا لما مرمن قول الإمام من أنه لوزاد فی تشهده أونقص فیه کان مکروهاً،قلت:فیه نظرفإن الصلوٰة زائدة علی التشهد.(رد المحتار،باب صفة الصلوٰة: ۴۷۸/۱-۴۷۹،ظفیر)(کتاب الصلاة،قبیل مطلب فی جواز الترحم علٰی النبی ابتداء ومطلب فی جواز الترحم علٰی النبی ابتداءً،انیس)

☆ درود میں 'سیدنا' کا اضافہ افضل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف''اللّٰهُمّ صلّ علٰی محمد''کہنا افضل ہے، یا''اللّٰهُمّ صلّ علی سیّدنا محمّد'' کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصّواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ افضل ہے۔ ==

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے:

سوال: زید نے نماز میں درود شریف قصداً نہ پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے نماز ہوگئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نماز ہوجائے گی، کیوں کہ درود شریف پڑھنا سنت ہے، اور سنت کے ترک سے نماز ہوجاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہٰذا جلدی کی صورت میں بھی **اللّٰهمّ صلِّ علىٰ محمّد** تک پڑھ لینا چاہیے۔

قال في الدر: وسنّة في الصلاة، ومستحبّة في كلّ أوقات الإمكان.

وفي الشامية(قوله سنّة في الصلاة)أى في قعود أخير مطلقًا وكذا في قعود أوّل في النوافل غير الرواتب، تأمل وفي صلاة الجنازة.(رد المحتار: ۱/۴۸۳)(۱)

== قال في الدر: وندب السيادة؛ لأنّ زيادة الإخبار بالواقع عن سلوك الأدب، فهو أفضل من تركه ذكره الرّملي الشافعي وغيره. وقال المحشي: (قوله ذكره الرملي الشافعي)أى في شرحه على منهاج النّووى ونصّه: "والأفضل الإتيان بلفظ السيادة كما قاله ابن ظهيرة وصرّح به جمع وبه أفتى الشارح لأنّ فيه الإتيان بما أمرنا به وزيادة الإخبار بالواقع الذى هو أدب، فهو أفضل من تركه، آه(إلى قوله) وأنه يأتى بها مع إبراهيم عليه السلام.(رد المحتار: ۱/۴۷۹)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب في الكلام على التشبه في كما صليت علىٰ إبراهيم، انيس) فقط والله تعالىٰ أعلم

۲ر رجب ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ، جلد:۳/۲۷)

نماز والے درود شریف میں "سیدنا ومولانا" کا اضافہ کرنا:

سوال: نماز میں التحیات اور تشہد کے بعد والے درود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ناموں سے پہلے "سیدنا ومولانا" پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ

ہمارے ائمہ سے تو یہ مسئلہ منقول نہیں، درمختار میں اس کو شافعیہ کے حوالے سے مستحب لکھا ہے اور اس سے موافقت کی ہے۔ (وندب السيادة لأنّ زيادة الإخبار بالواقع عن سلوك الأدب فهو أفضل من تركه، ذكره الرملي الشافعي وغيره. (الدر المختار: ۱/۵۱۳، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، طبع ايچ ايم سعيد) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۵۱۰)

علماء احناف نے کلمۂ تشہد میں اضافہ سے منع کیا ہے، دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ مذہب حنفی کے اسی اصول کے تحت ہے، مذہب شافعی میں اضافہ کرسکتا ہے، واضح رہے کہ اضافہ سے معنی میں کوئی فرق واقع نہیں پڑتا ہے، اس لیے بڑھانا نہ بڑھانا دونوں درست ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اضافہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ محمود عمل ہے، اس لیے بڑھانا افضل ہے۔ انیس

(۱) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس

وفی سنن الصلاۃ من الدّر: ترک السّنۃ لایوجب فسادًا و لا سھوًا بل اساءۃً لوعامدًا غیر مستخف.

وفی الشامیۃ: فلوغیرعامد فلا إساءۃ أیضًا، بل تندب إعادۃ الصلاۃ کما قدمناہ فی أوّل بحث الواجبات. (رد المحتار: ۱/۴٤۲)(۱)

ونصّہ ھناک أقول: وقد ذکر فی الإمداد بحثًا: أن کون الإعادۃ بترک الواجب واجبۃ لا یمنع أن تکون الإعادۃ مندوبۃ بترک سنّۃ آہ. ونحوہ فی القھستانی بل قال فی فتح القدیر: والحق التفصیل بین کون تلک الکراھۃ کراھۃ تحریم فتجب الإعادۃ، أوتنزیہ فتستحب، اھـ. (رد المحتار: ۱/٤۲۵)(۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

۱۷/صفر ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۲۹،۳۰)

نماز میں درود کے بعد کی دعا:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں التحیات کی جگہ کون سی دعا پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور قعدہ میں درود ابراہیمی کی جگہ کون سی دعا پڑھی ہے یا درود پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور فرض نماز میں کیا پڑھا ہے؟ وہ لکھئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہر دو رکعت پر قعدہ میں التحیات پڑھا کرتے تھے اور جب سلام پھیرنا ہوتا تو التحیات کے بعد درود ابراہیمی پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد دعا بھی پڑھتے تھے۔ ایک دعا یہ ہے:

’’اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم‘‘ (۳) ’’وأعوذبک من عذاب القبر وأعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال وأعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات، اللّٰھم إنی أعوذبک من المأثم والمغرم‘‘. (۴)

(۱) کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب: سنن الصلاۃ، انیس

(۲) کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب: کل صلاۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا، انیس

(۳) عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: ’’إذا تشھد أحدکم فلیستعذ باللّٰہ من أربع یقول: اللّٰھم إنی أعوذبک من عذاب جھنم ومن عذاب القبر ومن فتنۃ المحیا والممات، ومن شر فتنۃ المسیح الدجال‘‘. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر: ۱/۲۱۷، قدیمی، (ح: ۵۸۸) انیس)

(۴) وقد وری مسلم ھذا الدعاء بسندہ عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا زوج البنی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم، أخبرتہ، أن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یدعوفی الصلاۃ: ’’اللّٰھم أعوذبک من عذاب القبر‘‘. إلیٰ آخر الحدیث. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبروعذاب جھنم: ۱/۲۱۷، قدیمی، (ح: ۵۸۹) انیس)

اور بھی دعائیں منقول ہیں۔(۱)

رسالہ ''تعلیم الاسلام'' میں پوری طرح نماز کی ترکیب شروع سے اخیر تک درج ہے، یہ رسالہ عام طور پر اردو کتب فروشوں کی دوکانوں میں مل جاتا ہے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۴۵/۵-۶۴۶)

درود شریف کے بعد کئی دعائیں پڑھنے کا حکم:

سوال: امامت کراتے ہوئے یا اکیلا نماز پڑھتے ہوئے درود پاک کے بعد ''رَبِّ اجْعَلْنِیْ'' اور ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً'' الخ ، یہ دونوں دعائیں پڑھ سکتا ہے یا ایک پڑھے؟

الجواب

پڑھ سکتا ہے،بہتر ہے کہ بصورت امامت ایک دعا پڑھے۔(۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ،رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔۱۰/۷/۱۴۰۳ھ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،مرتب خیر الفتاویٰ۔(خیر الفتاویٰ:۲۶۸/۲-۲۶۹)

دعا کے بغیر سلام پھیر دیا:

سوال: التحیات کے بعد سلام پھیر دیا گیا، یا درود بھی پڑھ لیا؛ مگر دعا نہیں پڑھی اور سلام پھیر دیا،تو نماز ہوگئی، یا نہیں؟

(۱) عن حنظلة بن علی أن محجن بن الأدرع رضی اللّٰه تعالٰی عنه حدثه،قال:دخل رسول اللّٰه تعالٰی علیه وسلم المسجد، فإذا هو برجل قدقضی صلاته وهویتشهد وهویقول:اللّٰهم إنی أسئلک یا اللّٰه الأحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد،ولم یکن له کفواً أحد،أن تغفرلی ذنوبی،إنک أنت الغفور الرحیم،قال:فقال:''قد غفر له قد غفر له ثلاثاً''.(سنن أبی داؤد،کتاب الصلاة،باب مایقول بعد التشهد:۱/ ۱٤۱۲-٤۱۲، سعید)(ح:۹۸۵)انیس)

والتفصیل فی(الفتاوی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الثالث فی سنن الصلاة و آدابها:۷٦/۱،رشیدیة)

''ویتشهد...وصلی علی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم...ودعاء بما یشهه ألفاظ القرآن،والأدعیة الماثورة آه''.(الهدایة،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱۱۲/۱-۱۱۳،مکتبة شرکة علمیة،ملتان)

(۲) وکره للإمام تطویل الصلاة،لما فیه من تنفیر الجماعة لقوله علیه السلام:''من أم فلیخفف''آه.(مراقی الفلاح) (قوله تطویل الصلاة)بقراءة أوتسبیح أوغیرهما رضی القوم أم لا،لإطلاق الأمر بالتخفیف،آه.(الطحطاوی : ۱٦٦)(فصل فی بیان الأحق بالإمامة،انیس)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

ہوگئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۷/۶/ ۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۷/۶/ ۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۱/۵)

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف "**السلام عليكم**" کہے؟ مذاہب اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ "**السلام عليكم ورحمة الله**" کہے پھر بائیں طرف "**السلام عليكم ورحمة الله**" کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس میں اضافہ کرے، یہی متوارث عمل ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک صرف "**السلام عليكم**" سنت ہے، "**ورحمة الله**" کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱) مذہب احناف:

ملاحظہ ہو؛ مبسوط میں ہے:

(**ثم يسلم تسلمتين أحداهما عن يمينيه "السلام عليكم ورحمة الله" والأخرىٰ عن يساره مثل ذلك) لقول النبى صلى الله عليه وسلم "وتحليلها السلام"**. (المبسوط للإمام السرخسي: ۳۰/۱، مطلب فی حکم التسليم، إدارة القرآن)(۲)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

"**ويسلم عن يمينيه ويقول "السلام عليكم ورحمة الله" ولايقول فى هذا السلام... "وبركاته" كذا ذكر فى المحيط فإن المروى فيه عن ابن مسعود رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يسلم عن يمينه "السلام عليكم ورحمة الله" حتىٰ يرىٰ بياض خده الأيمن و**

---

(۱) (وسننها) ترك السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا، بل إساءةً لو عامدًا غير مستخف، وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة، ثم هى علىٰ ماذكره ثلاثة وعشرون: (رفع اليدين للتحريمة... والصلاة على النبى، والدعاء). (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۷۳/۱ـ ۴۷۷، سعيد)

(۲) كيفية الدخول فى الصلاة، انيس

عن يساره "السلام عليكم ورحمة الله" حتى يرى بياض خده الأيسر، رواه أصحاب السنن الأربعة، وقال الترمذى رحمه الله حديث حسن صحيح ولا يتوهم ان مراده هذا السلام الأول وأنه يقول في السلام الثاني "وبركاته" كما يفعله بعض الجهال، لأن ذلك خلاف السنة، كما في هذا الحديث الصحيح وخلاف عمل الأمة. (شرح منية المصلى: ٣٣٦، سهيل/وكذا في الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٢٧٤، قديمى/وفى الفتاوىٰ الهندية: ٧٦/١)

(۲)　مذہب مالکیہ:

قال العلامة شمس الدين الدسوقي: وظاهر كلام أهل المذهب أنها (ورحمة الله و بركاته) غير سنة وإن ثبت بها الحديث لأنها لم يصحبها عمل أهل المدينة بل ذكر في المنح: أن الأولى الاقتصار على "السلام عليكم" وإن زيادة ورحمة الله وبركاته هُنا خلاف الأولى. (حاشية الدسوقي: ٣٧٩/١، وكذا في مواهب الجليل: ٢١٩/٢ .وفى شرح مختصر خليل: ٣٤٤/٣ . وفى المدونة الكبرى: ٢٦٦/١)(١)

وقال الإمام مالك: في "السلام" يقول: "السلام عليكم"، بلا "ورحمة الله". (الاستذكار لابن عبدالبر: ٢٨٩/٤)

(۳)　مذہب شوافع: ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعي) وبهذا الحديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إمامًا كان، أو مأمومًا، أو منفردًا ونأمر المصلى خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسلميتين ويقول في كل واحد منهما "السلام عليكم ورحمة الله". (كتاب الأم: ١٤٦/١، باب السلام في الصلاة، دار الفكر. وكذا في شرح المهذب: ٤٧٣/٣. فرضية السلام في الصلاة، دار الفكر)

(۴)　مذہب حنابلہ: المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: ثم يسلم عن يمينه فيقول: "السلام عليكم ورحمة الله" وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رضى الله عنه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم... قال الترمذى: حديث ابن مسعود رضى الله عنه حديث حسن صحيح. (المغنى لابن قدامة الحنبلى: ٥٨٨/١، وكذا في الشرح الكبير: ٥٨٨/١، دار الكتب العلمية، لبنان)(٢) والله سبحانه تعالىٰ أعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۱۶۴/۲-۱۶۶)

---

(١)　الشرح الكبير وحاشية الدسوقي، فصل في فرائض الصلاة: ٢٤١/١، دار الفكر/مواهب الجليل في مختصر خليل، مسألة الحركة إلى الأركان هل هي واجبة لنفسها أو لغيرها في الصلاة: ٥٢٣/١، دار الفكر/ شرح مختصر خليل للخرشي، فصل في فرائض الصلاة: ٢٧٣/١، دار الفكر. انيس

(٢)　مسألة إذا فرغ من صلاته وأراد الخروج منها: بعد فصل يسلم تسليمتين عن يمينه ويساره، انيس

سلام پھیرتے وقت جو ملے، وہ تشہد پورا کرے یا نہیں:

سوال: جس شخص نے امام کی اقتدا سلام پھیرنے کے وقت کی ہوتو کیا بعد سلام امام اس کو تشہد پورا کرنا ضروری ہے؟

الجواب

شامی جلد:۱/۳۳۳، میں ہے کہ مختار اس صورت میں یہ ہے کہ تشہد پورا کر کے کھڑا ہو اور اگر پورا نہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو یہ بھی جائز ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۴-۱۶۵)

امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی دعا پوری نہ کر سکا ہو تو کیا کرے:

سوال: امام سلام پھیر دے اور مقتدی کی کچھ دعا باقی ہو، تو فوراً امام کے ساتھ سلام پھیر دے، یا ختم کر کے سلام پھیرے؟

الجواب

اگر تھوڑی سی دعا باقی رہی ہے، تو جلدی سے پورا کر کے کچھ بعد میں سلام پھیر لے، تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۵)

مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے قبل امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کیا کرے:

سوال: تشہد کا پڑھنا کیسا ہے؟ کیا امام کی اقتدا تشہد میں بھی ضروری ہے جب کہ امام صاحب تشہد میں جلدی کرتے ہیں، بعض مقتدی کو تشہد میں دیر ہوتی ہے اور امام صاحب کھڑے ہو جاتے ہیں یا نماز ختم کر لیتے ہیں تو کیا مقتدی تشہد مکمل کرے یا نہ کرے؟

الجواب　وباللہ التوفیق

تشہد پڑھنا واجب ہے اور امام کی اتباع بھی واجب ہے، صورت مذکورہ میں تشہد مکمل کر لینے کے بعد بھی اگر مقتدی کھڑا ہوگا تو امام کی اتباع ہو جائے گی، لہٰذا مقتدی تشہد مکمل کر کے اس کے بعد امام کی اتباع کے لئے کھڑا ہو۔

"ومتابعة الإمام".(الدر المختار)

---

(۱) وشمل بإطلاقه مالو اقتدى به في أثناء التشهد الأول أو الأخير ،فحين قعد قام إمامه أو سلم، و مقتضاه أنه يتم ثم يقوم ولم أره صريحاً،ثم رأيته في الذخيرة ناقلاً عن أبي الليث:المختار عندي أن يتم التشهد وإن لم يفعل أجزاه.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٦٣/١ ،بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي،ظفير)

(۲) ولو سلم والمؤتم في أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون.(الدر المختار على هامش رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع: ٤٦٣/١ ،بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي،ظفير)

(قوله: ومتابعة الإمام)قال فى شرح المنية: لاخلاف فى لزوم المتابعة فى الأركان الفعلية إذ هى موضوع الاقتداء. واختلف فى المتابعة فى الركن القولى وهو القراء ة، فعند مالايتابع فيها بل يستمع وينصف وفيما عدا القراء ة من الأذكاريتابعه. والحاصل أن متابعة الإمام فى الفرائض و الواجبات من غيرتأخيرواجبة، فإن عارضها واجب لاينبغى أن يفوته بل يأتى به ثم يتابع، كما لوقام الامام قبل أن يتم المقتدى التشهد فإنه يتمه ثم يقوم لأن الإتيان به لا يفوّت المتابعة بالكلية، وإنمايؤخرها، والمتابعة مع قطعه تفوّته بالكلية، فكان تأخيرأحد الواجبين مع الإتيان بهما أولٰى من ترك أحدهما بالكلية، بخلاف ماإذاعارضها سنة، كما لورفع الإمام قبل تسبيح المقتدى ثلاثًا فالأصح أنه يتابعه؛ لأن ترك السنة أولٰى من تأخيرالواجب، آ ه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: مهم فى تحقيق متابعة الإمام: ۱٦٥/۲)

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۲۱/۵/۱۴۰۹ھ ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۷۔۳۸۸)

مقتدی کے بعد درود کی دعا پڑھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو وہ کیا کرے:

سوال: اگرامام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی نے صرف 'التحیات' اور صرف 'درود' ہی پڑھا ہے، دعا نہیں پڑھی، تو کیا مقتدی کو بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہئے یا دعا پڑھ کر؟

الجواب

اس صورت میں مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیر دیوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۹)

مقتدی کس وقت سلام پھیرے:

سوال: مقتدی کو کس وقت سلام پھیرنا چاہیے؟

(۱) ولوسلّم(الإمام)والمؤتم فى أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون. (الدرالمختار)

(قوله: فى أدعية التشهد)يشمل الصلٰوة على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ٤٦٣/۱، ظفير)(مطلب فى إطالة الركوع للجائى، انيس)

عن أنس بن مالك أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ركب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الأيمن فصلى صلاة من الصلوات وهو جالس فصلينا جلوساً فلما انصرف قال: إنما جعل الإمام ليؤتم به إذا صلى قائما فصلوا قياماً وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد وإن صلى قاعداً فصلوا قعوداً أجمعين.

قال محمد: وبهذا نأخذ، صلاة الرجل قاعداً للتطوع مثل نصف صلاته قائماً فأما ماروى من قوله إذا صلى الإمام جالساً فصلوا جلوساً أجمعين فقدروى ذلك وقد جاء ماقدنسخه. (مسند الإمام مالك برواية محمدبن الحسن، باب صلاة القاعد (ح:۱٥۷): ۷۱/۱، المكتبة العلمية. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــ

مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ امام جب دائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی بھی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب امام دائیں طرف سے فارغ ہوکر بائیں طرف پھیرے تو مقتدی امام کے بعد بائیں طرف سلام پھیرے، یعنی امام سے مقدم نہ ہو۔(۱)

لما قال فخر الدين قاضی خان رحمة الله عليه: قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينه فيسلم المقتدی عن يمينه وإذا فرغ الإمام عن يساره يسلم المقتدی عن يساره. (فتاویٰ قاضی خان علٰی هامش الهندية، فصل فيمن يصح الاقتداء به فيمن **لا يصح**: ۸۸/۱)(۲)(فتاویٰ حقانیہ: ۱۰۷/۳)

مقتدی کے لئے امام کی اتباع:

سوال: امام تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے کھڑا ہوا اور مقتدیوں میں سے بعض نے اٹھنے میں اتنی تاخیر کی کہ امام نے قرأت شروع کردی، یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مقتدیوں کو امام کی پیروی کرنی چاہئے، نہ امام سے سبقت کرنی چاہئے اور نہ زیادہ تاخیر کرنی چاہئے۔ اگر کسی مقتدی کی حرکت کراہت کا سبب ہو تو اسی کی نماز میں کراہت آئے گی دوسرے کی نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔(۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۳۷۰/۱۰/۲۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۵/۲)

---

(۱) عن أبي هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا، يقول: لا تبادروا الإمام إذا كبر فكبروا وإذا قال "ولا الضالين" فقولوا: آمين، وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: اللّٰهم ربنا لك الحمد. (الصحيح لمسلم، باب النهی عن مبادرة الإمام فی التكبير (ح: ٤١٥) انيس)

(۲) قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله: المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينه يسلم المقتدی عن يمينه وإذا فرغ عن يساره يسلم المقتدی عن يساره، آه. (الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها إلخ: ٧٧/١)(الباب الرابع فی صفة الصلاة، انيس)

(۳) والحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته بل يأتي به ثم يتابع، كما لو قام الإمام قبل أن يتمّ المقتدي التشهد فإنه يتمّه ثم يقوم لأن الإتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية وإنما يؤخّرها، والمتابعة مع قطعه تفوته بالكلية، فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولٰی من ترك أحدهما بالكلية، بخلاف ما إذا عارضها سنة، كما لو رفع الإمام قبل تسبيح المقتدي ثلاثًا فالأصح أنه يتابعه، لأن ترك السنة أولٰی من تأخير الواجب. (رد المحتار، مطلب مهم فی تحقيق متابعة الإمام: ١٦٥/٢، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

ختم نماز "السّلام علیکم" پڑھنا چاہئے:

سوال: " السّلام علیکم ورحمة اللّٰه " پر نماز ختم کردینا چاہئے، یا لفظ " بر کاته " بھی پڑھا جائے؟

الجواب

صرف لفظ "السّلام علیکم ورحمة اللّٰه" کہنا سنت ہے، کما فی الأنوار الساطعة عن منية المصلى: "وأن يقول: السّلام عليكم ورحمة اللّٰه" مرتين، اھ. (۱)

اوراسی طرح اور حدیث میں بھی وارد ہے، صرف ابوداؤد کی ایک روایت میں "وبركاته" کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، مگر حنفیہ کے یہاں روایت مشہورہ ہی مسنون ہے، "وبركاته" کے زائد کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۹۶/۲)

"السّلام علیکم" کہتے وقت مقتدی کا سانس امام سے پہلے ٹوٹ جائے:

سوال: مقتدی کا سانس سلام پھیرتے وقت السلام علیکم کہنے میں امام سے پہلے ٹوٹ جاوے تو مقتدی کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

(۱) ويقول "السلام عليكم ورحمة اللّٰه" ولا يقول في هذا السلام أي في سلام الخروج من الصلاة سواءٌ كان عن اليمين أو اليسار "وبركاته". (غنية المستملي : ٣٢٦، ظفير. باب صفة الصلاة، انيس)

عن جابر بن سمرة قال: كنا إذا صلينا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قلنا: السلام عليكم ورحمة اللّٰه، السلام عليكم ورحمة اللّٰه، الخ. (الصحيح لمسلم، باب الأمر بالسكون في الصلاة (ح: ٤٣١)/وقد تقدم مرارًا حديث عبداللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه عنه رواه أبوداؤد، باب في السلام (ح: ٩٩٦) انيس)

(۲) ثم يسلم، إلخ، قائلاً "السلام عليكم ورحمة اللّٰه" هو السنة، إلخ وأنه لا يقول هنا "وبركاته" وجعله النووى بدعة، ورده الحلبي وفي الحاوى أنه حسن. (الدر المختار)

(رده الحلبي) حيث قال في الحلية شرح المنية بعد نقله قول النووى إنها بدعة: ولم يصح فيها حديث بل صح في تركها غير ما حديث مانصه، لٰكنه متعقب في هذا، فإنها جاء ت في سنن أبي داؤد من حديث وائل بن حجر بإسناد صحيح، وفي صحيح ابن حبان من حديث عبداللّٰه بن مسعود ثم قال: اللّٰهم إلا أن يجاب بشذوذها وإن صح مخرجها، إلخ. (الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، بعد الفصل : ٤٩١/١، ظفير) (الفصل إذا أراد الشروع، مطلب: في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، انيس)

عن وائل بن حجر قال: صليت مع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فكان يسلم عن يمينه: السلام عليكم ورحمة اللّٰه وبركاته، وعن شماله: السلام عليكم ورحمة اللّٰه. (سنن أبي داؤد، باب في السلام (ح: ٩٩٧)/صحيح ابن حبان، ذكر كيفية التسليم الذى ينتقل المرء به من الصلاة (ح: ١٩٩٣) انيس)

الجواب

مقتدی کی نماز میں اس صورت میں کچھ خلل نہیں آیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۳/۲) ☆

سلام میں صرف منھ پھیرے سینہ نہ پھیرے:

سوال: نماز سے خروج کیلئے سلام پھیرتے وقت قبلہ سے فقط منھ ہی پھیرے یا سینہ بھی؟

الجواب

صرف منھ پھیرنا دونوں طرف سلام کے ساتھ کافی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۷/۲)

سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا:

سوال: نمازی کو سلام کے دوران کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

نمازیوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) امام (۲) مقتدی (۳) منفرد۔

(۱) لو أتم المؤتم التشهد،بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أو قيام جاز أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان الخ وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلاعذر فلو به الخ فلا كراهة.(رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤٩٠/١، ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب:في خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافر ولجميع المؤمنين،انيس)

☆ **"السّلام عليكم ورحمة الله"** میں امام سے سبقت:

سوال: اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے "السّلام عليكم ورحمة اللّٰه" کہنے میں سانس توڑ دے یا امام کے منھ پھیرنے سے پہلے منھ پھیر دے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

نماز اس صورت میں صحیح ہے، مگر امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے۔

وإنما كره للمؤتم ذلك لترك متابعة الإمام بلا عذر،إلخ. (ردالمحتار،المجلدالأول)(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع : ٤٩٠/١، ظفير) (كتاب الصلاة،مطلب:في خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافر ولجميع المؤمنين،انيس)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۹۳/۲)

(۲) وتحويل الوجه يمنة ويسرة للسلام أي من السنن(الدر المختار على هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب سنن الصلاة: ۴۴۵/۱،(ولها آداب)تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً...لكن فعله أفضل إلخ وإلى منكبه الأيمن والأيسر عند التسليمة الأولى والثانية)لتحصيل الخشوع،أيضاً،آداب الصلاة: ٤٦٦/١،ظفير)

اگر نمازی مقتدی ہوتو سلام کے دران اگر امام دائیں طرف ہوتو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ملائکہ اس طرف کے مقتدیوں اور امام کی نیت کرنی چاہیے اور اگر امام بائیں طرف ہوتو مقتدی کے لئے ملائکہ وغیرہ کے علاوہ امام کی بھی نیت کرنی چاہیے اور اگر مقتدی صف کے وسط میں امام کے پیچھے کھڑا ہوتو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے اور اگر نمازی امام ہوتو امام کو دونوں طرف کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیے اور اگر نمازی منفرد ہوتو منفرد سلام میں ملائکہ (حفظہ) کی نیت کرنی چاہئے۔

لما فی الهندية: وينوى من عنده من الحفظة والمسلمين فى جانبيه... والمقتدى يحتاج إلٰى نية الإمام مع نية من ذكرنا فإن كان الإمام فى الجانب الأيمن نواه فيهم وإن كان فى الجانب الأيسر نواه فيهم وإن كان بحذائه نواه فى الجانب الأيمن عند أبى يوسف وعند محمد ينويه فيهما وهو رواية عن أبى حنيفة وفى الفتاوىٰ هو الصحيح والمنفرد ينوى الحفظة لاغير ولا ينوى فى الملائكة عددًا محصورًا. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها: ۷۷/۱) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۱۰۷-۱۰۸)

---

(۱) الباب الرابع فى صفة الصلاة، انيس)

قال العلامة عبد الرحمن الجزائرى: يسن أن ينوى المصلى بسلامه الأول من علىٰ يمينه وبسلامه الثانى من علىٰ يساره (كتاب الفقه علىٰ مذاهب الأربعة: ۲٦٦/۱)

عن أبى هريرة يقول (فى حديث طويل قال فيه): قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإذا صلى لم تزل الملائكة تصلى عليه مادام فى مصلاه، اللّٰهم صل عليه، اللّٰهم ارحمه، ولا يزال أحدكم فى صلاة ما انتظر الصلاة. (الصحيح للبخارى، باب فضل صلاة الجماعة (ح: ٦٤٧) انيس)

مسئلہ: رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا سنت ہے۔ (مراقی: ۱۴۵)

مسئلہ: رکوع کی تسبیح میں سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے لیکن جس سے صحیح ادا نہ ہو اور ظاء کو زاء کہہ دے وہ سبحان ربی الکریم کہے ورنہ اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (شامی: ۱/۳۳۲)

مسئلہ: رکوع نہ کرے اور قیام سے سیدھے سجدہ میں چلا جائے اونٹ کی طرح تو رکوع کے بدلہ ہوجائے گا۔ (عالمگیری: ۱/۷۰)

مسئلہ: جس کی پشت رکوع کی طرح ٹیڑھی ہو وہ رکوع کے لئے ہلکا سا سر جھکائے اس اشارہ سے اس کا رکوع ہوگیا۔ (عالمگیری: ۱/۷۰)

مسئلہ: رکوع کا وقت قراءت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ (عالمگیری: ۱/۷۰)

مسئلہ: قومہ میں امام کا سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہنا اور مقتدی کا رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد کہنا اور اکیلے پڑھنے والے کا دونوں کہنا سنت ہے۔ (تعلیم الاسلام: ۳/۶۹)

افضل اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد ہے اس کے بعد رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد اور سب سے ادنیٰ درجہ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد ہے۔ (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ: ۲۵۱) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۲۶-۲۲۷-۲۵۳) (انیس)